علامہ حافظ عبد الرؤف علیہ الرحمہ

اور سنی دار الاشاعت

از

علامہ محمد احمد مصباحی

ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور

ناشر

مصباحی پبلیکیشن، محمد آباد، مئو

Misbahi Publication, Muhammadabad, Mau

Mobile No. : 8188818465, 9506191193

https://alislami.net

حضرت مولانا حافظ عبد الرؤف علیہ الرحمۃ اور سنی دار الاشاعت

باسمہ وحمدہٖ والصلوٰۃ علیٰ نبیہٖ وجنودہٖ

جامع معقول و منقول علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی ثم مبارک پوری علیہ الرحمۃ گوناگوں خوبیوں کے مالک اور مختلف علوم وفنون کے ماہر تھے، ان کے فضائل کمالات کی تصدیق کے لیے سب سے نمایاں اور تشفی بخش ثبوت یہ ہے کہ ان کی علمی وفنی مہارت کا چرچا صرف ان کے تلامذہ کی زبانوں پر نہیں بلکہ ان کے اساتذہ اور ان کے وہ اکابر جن سے موصوف کو رشتۂ تلمذ بھی نہیں اور ان کے معاصرین (جبکہ معاصر اپنے معاصر کے کمال کا اعتراف بآسانی نہیں کرتا) سب کے سب ان کے زمانۂ حیات ہی سے ان کی علمی برتری، فنی مہارت، تدریسی کمال، انتظامی و تعمیری فکر و تدبر اور قومی و ملی دل سوزی و محنت کا برملا ذکر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ انھیں جاننے پہچاننے والے کم تھے اس لیے کہ ان کی زندگی پر سادگی، کم گوئی، جلسوں اور تقریروں سے کنارہ کشی اور نمود وریا کے ہر دل کش موقع سے دوری کی دبیز چادر پڑی ہوئی تھی، اس لیے ان کو سمجھنا اُن عوام اور کم سواد علما کے بس کی تو بات ہی نہ تھی جن کے نزدیک ظاہر کی دلکشی ہی سب کچھ ہے۔

مجھے ان کی شخصیت سے سب سے زیادہ جس چیز نے متاثر کیا وہ باں فضل و کمال ان کی یہی سادگی و بے نفسی ہے اور بھی چند باتیں ہیں جن سے میں بہت متاثر ہوں، ان ہی امور کا تذکرہ یہاں مقصود ہے۔

(۱) وہ دار العلوم اشرفیہ میں نائب شیخ الحدیث تھے، صدارت حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی تھی لیکن تعلیمی نظم و نسق زیادہ تر حضرت حافظ جی[۱] علیہ الرحمۃ سے ہی متعلق تھا اس خصوص

---

(۱) اُس وقت طلبہ، مدرسین اور اہل مبارک پور میں اسی لقب سے وہ معروف تھے۔ ۱۲ مصباحی

https://alislami.net

میں ان کا کمال یہ تھا کہ طلبہ کے معاملات توفیصل کرتے ہی تھے مگر مدرسین کے درمیان بھی کوئی اختلاف، شکررنجی اور بدمزگی نہ پیدا ہونے دیتے جہاں چند ہم پایہ اساتذہ ہوں کچھ باہمی اختلاف ورنجش بعید نہیں لیکن کم از کم اتنا میں پورے دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ حافظ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمۃ کی حیات تک اساتذہ کا کوئی اختلاف طلبہ کی نظروں تک نہ آسکا------اور گروپ بندی کا توکسی طالب علم کو وہم وگمان بھی نہیں ہوسکتا تھا،۱۹۶۹ء میں حافظ ملت کے مشروط استعفاء کے بعد ایک اختلاف کھل کر سامنے آیا لیکن یہ تعطیلات کے زمانہ میں ہوا اگرچہ آراء کا یہ تعارض مشتہر ہوگیا لیکن استعفا کی نامنظوری اور حافظ ملت کی واپسی کے بعد سارے معاملات اپنی رَوِش پر آگئے----اور ۱۹۷۱ء تک اساتذہ میں رواداری، عالی ظرفی، صلح وآشتی، مفاد ادارہ کے لیے ذاتی جذبات وخواہشات کی قربانی، باہمی شکوہ وشکایات اور نمایاں اختلاف اور غیظ وغضب سے کنارہ کشی کی روایات پوری طرح برقرار رہیں، لیکن حافظ جی علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد خود حافظ ملت کی نگاہوں تک ایسے معاملات آئے جو عالی ظرفی، رواداری اور مفاد ادارہ سے ہمدردی کے نقطۂ نظر سے طلبہ کے سامنے بھی نہ آنا چاہیے تھے کیوں کہ ہر سطحیت اور پستی فکر وعمل کا ان کے ذہن پر بھی اثر پڑتا ہے جوان کے مستقبل کے لیے خطرناک اور مضر ہوتا ہے۔

جن مدارس میں اساتذہ کے درمیان اتفاق واتحاد ہو وہاں طلبہ کے اندر سبھی اساتذہ کا ادب واحترام نظر آئے گا۔اصول وضوابط کی پابندی، کردار وعمل کی درستی زیادہ ہوگی، لیکن جہاں اساتذہ میں عداوت واختلاف برپا ہو وہاں طلبہ کی آوارگی، قانون شکنی، اعلیٰ کردار وعمل سے دوری، تعلیم وتعلم سے بیزاری، اساتذہ کی گستاخی وبے ادبی، بلکہ ان کے درمیان مزید اشتعال انگیزی اور خود طلبہ کی گروپ بندی وغیرہ کے مناظر آسانی سے دیکھے جاسکتے ہیں یہ نکتہ کوئی ایسا باریک نہیں جس سے کسی ادارہ کے اساتذہ بے خبر ہوں۔لیکن طلبہ، ادارہ اور تعلیم کی خاطر اپنے شعلہ زن جذبات کو برف آلود کرنا بڑا زہرہ گداز عمل

ہے۔ اپنی تسکینِ اَنا کے لیے ہر وسیع تر مفاد قربان ہو سکتا ہے لیکن قومی مستقبل کی تعمیر کے لے اپنے مفاد کو قربان نہیں کیا جاسکتا۔ حافظ عبد الرؤف صاحب علیہ الرحمہ اس خطرناک فکر و عمل سے زندگی بھر نبرد آزما رہے اور انھوں نے اپنی بے پناہ صلاحیت و مقبولیت کے اثر سے اپنے رفقا اور متعلقین کو ہمیشہ جادۂ مستقیم پر گامزن رکھا۔

(۲) وہ اپنے اصول کے بڑے پابند تھے درس و مطالعہ کی پابندی کے علاوہ اپنے اوپر کچھ اور پابندیاں بھی انھوں نے لگا رکھی تھیں مثلاً یہ کہ بازار سے سودا خود خریدتے، غلہ، سبزی، ترکاری کا تھیلا خود اپنے کاندھے پر گھر تک لے جاتے اس زمانہ کے بعض طلبہ کا بیان ہے کہ ہم نے حضرت کو غلے کا تھیلا لے کر جاتے دیکھ اور ہر چند کوشش کی کہ ہمارے حوالہ کر دیں مگر کامیابی نہ ہوئی ان کا یہ عمل صرف ماہ، دو ماہ، یا سال، دو سال پر مشتمل نہ تھا، بلکہ مبارک پور میں ان کی ساری زندگی اسی شکل میں دیکھی گئی۔

(۳) وہ اپنے اساتذہ کے ادب شناس اور فرماں بردار تھے خصوصاً حافظ ملت علیہ الرحمہ کے ساتھ ان کی خیر خواہی، اخلاص و ہمدردی اور وفاداری اپنی مثال آپ ہے۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ جب مبارک پور چھوڑ کر ناگ پور تشریف لے گئے تو تعلیم کے لیے حافظ جی علیہ الرحمہ بھی وہیں پہنچے۔ حافظ ملت نے جب اشرفیہ کو وسیع پیمانہ پر لے جانا چاہا اور مشکلات حائل دیکھ کر بجائے مبارک پور کے کسی دوسرے شہر کا انتخاب کیا تو حافظ جی علیہ الرحمہ نے حافظ ملت اور اشرفیہ دونوں کی ہمدردی کا حق ادا کر دیا۔ اپنے جملہ رفقا کو ہم خیال بنا کر ایسی سرگرم کوششیں کیں جن کے نتیجے میں حافظ ملت کو کہیں اور جانے کا خیال ترک کرنا پڑا اور مبارک پور ہی کی سرزمین آج حافظ ملت کے اس عظیم ادارہ کی امین بن کر سرفراز ہے۔

(۴) وہ اپنے احباب و رفقا کے معاون و مددگار بھی تھے علمی مسائل اور درسی اشکالات کے حل میں وہ اشرفیہ کے اساتذہ اور دیگر بلند پایہ علما کی دست گیری میں ضرب المثل تھے۔ فتاویٰ کے سلسلہ میں حضرت مفتی عبد المنان صاحب قبلہ کی موجودگی میں بے تکلف ان سے رجوع کرتے اور وہ ہمیشہ بڑی خندہ پیشانی سے ان کی رہنمائی فرماتے

https://alislami.net

اس سے جہاں ان کی وسعتِ نظر اوران کا علمی استحضار عیاں ہوتا ہے وہیں ان کی نفع رسانی کا جذبہ، ان کی فراخ دلی اوران پر اکابر علما کا اعتماد بھی واضح ہوتا ہے۔فتاویٰ کے سلسلہ میں یوں بھی ان کو ہمیشہ تیار رہنا ضروری تھا کیوں کہ فتاویٰ پر ان کی تصدیق بالعموم ضروری تھی۔

(۵)سنی دارالاشاعت کا قیام،اور فتاویٰ رضویہ کی اشاعت ان کا عظیم کارنامہ ہے اس پر متعدّد جہتوں سے اور تفصیل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

(الف)ایک کتاب جو مطبوعہ ہے عکس لے کر بعینہٖ اسے شائع کر دینا کسی خاص علمی صلاحیت کا محتاج نہیں ،تھوڑا پڑھا لکھا آدمی بھی اسے کر سکتا ہے۔ بقدر ضرورت سرمایہ ہونا چاہیے پھر کتاب ایسی ہے جو مارکیٹ میں خوب چلی ہوئی ہے اور مانگ زیادہ ہے توسرمایہ لگانا بھی آسان ہے۔

(ب)لیکن کوئی کتاب جو مسودہ کی شکل میں ہے اسے کتابت کرا کے شائع کرنے میں کم از کم کتابت کی تصحیح اور مسودہ سے مطابقت کا کام علمی صلاحیت اور تجربہ کا طالب ہے مسودہ بالکل صاف ستھرا اوراطمینان بخش ہے توتصحیح کا تھوڑا تجربہ بھی کفایت کر سکتا ہے۔

(ج)لیکن مسودہ پرانا اور ناصاف ہو تو اس کی عبارتوں اور معانی و مطالب سمجھنے کی لیاقت بھی چاہیے جس کی مدد سے ناصاف عبارتوں کی تصحیح و تعیین ہو سکے۔

اب تصحیح کی لیاقت کا معیار مسودہ کے مندرجات کے معیار سے جانچا جائے گا۔ مسودہ اگر افسانوں اوراختراعی قصوں پر مشتمل ہے توصرف زبان وادب میں کمال کارِ تصحیح کے لیے کافی ہے۔

(د)مسودہ اگر سیرت و تاریخ سے تعلق رکھتا ہے تو اس فن سے تعلق ہونا ضروری ہے لیکن مندرجات عام متداول کتابوں سے صرف اخذ واقتباس کی شکل میں ہیں تو کام آسان ہے ورنہ اس میں دشواریوں کا دائرہ بڑھتا جائے گا۔

https://alislami.net

(ہ) مسودہ کسی ایسے عالم کا ہے جس سے زیادہ صلاحیت خود مصحح کے پاس ہے اور اسے حذف واضافہ اور اصلاح کا حق بھی حاصل ہوا ہے تو بھی اس کے لیے کچھ آسانی ہے، بلکہ مصنف پر خاص مہربانی بھی کیوں کہ جابجا تصحیح کار کے علم وصلاحیت سے کتاب میں حسن وکمال پیدا ہوگا۔ مگر قاری سب کچھ مصنف ہی کی کاوش سمجھے گا اور اگر مصحح کی محنت کا کچھ تصور بھی کرے گا تو مبہم طور پر، کیوں کہ بعد تصحیح کتابت وطباعت وغیرہ سے گزر کتاب جب منظر عام پر آتی ہے تو ایسا کوئی نمایاں نشان شاید ہی کسی کتاب میں رہتا ہو جس سے اصل مسودہ اور اصلاح وترمیم میں فرق کیا جا سکے۔

(و) مسودہ کسی بلند پایہ جامع علوم وفنون شخصیت کا ہے جس کی نگارشات میں متعدّد فنون کی مہارت کار فرما ہے تو ایسے ناصاف مسودہ کو تبییض وتنقیح اور کتابت وتصحیح وغیرہ سے گزار کر شائع کرنا بڑا مشکل کام ہے۔

(ز) یہاں بھی اگر مزاج سہل پسند ہے تو یہ ہوگا کہ جو آسانی سے سمجھ میں آیا بنا دیا ورنہ جیسا تیسا چھوڑ کر کام آگے بڑھایا۔ اشاعت کے بعد قارئین سر مغزی کرتے رہیں کہ کیا ہے، کیا ہونا چاہیے؟

(ح) لیکن محتاط اور جفاکش انسان سخت سے سخت راہ طے کرنے کی سعی بلیغ کرتا ہے۔ جس میں بعض اوقات اسے اپنی کسی تصنیف سے زیادہ اس بلند پایہ شخصیت کے مخطوطہ کی تصحیح میں محنت وصلاحیت صرف کرنی پڑتی ہے۔

(ط) مسودہ دینی عقائد واحکام، نصوص قرآن وحدیث، عبارات ائمہ وعلما پر مشتمل ہے تو یہ بھی لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ ذرا سی غفلت وسستی سے جائز کا ناجائز، ناجائز کا جائز نہ بن جائے اور نصوص کی عبارتوں میں خطا نہ واقع ہو۔

(ی) خود مصنف کی عبارت میں بھی فرق نہ آنے پائے کہ اس کی تحریر بجائے خود ایک سند ہے۔ ذرا بھی تبدیلی ہوگئی تو بہت ممکن ہے جو گہرائی وگیرائی ان الفاظ میں پنہاں تھی وہ رخصت ہو جائے اور کسی قاعدہ یا جزئیہ سے تعارض بھی نمودار ہو جائے یا کسی

اعتراض وایراد کی گنجائش نکل آئے جب کہ مصنف کے اصل الفاظ میں تعارض واعتراض کی گنجائش نہ تھی بلکہ اسی تعارض وایراد سے بچنے کے لیے اس نے ایک مخصوص تعبیر اور کچھ خاص الفاظ اختیار کیے تھے۔

امام احمد رضا قدس سرہ کی جامع فنون شخصیت ،فتاویٰ رضویہ کی علمی حیثیت اور مسودہ کی سقیم حالت کو سامنے رکھ کر اس کی تصحیح و تبییض اور کتابت وطباعت میں صرف ہونے والی محنت وصلاحیت کا اندازہ کیجیے پھر جس زمانے میں کام کی ابتدا ہوئی ایسی علمی کتاب کی اشاعت سے متعلق حالات مایوس کن تھے اسی لیے سنی دارالاشاعت کی تاسیس اور طباعت واشاعت کے حوصلہ مندانہ اقدام کی بھی داد دیجیے۔ مسودہ کی حالت اور اس کی تصحیح میں احتیاط سے متعلق مولانا حافظ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمۃ کا بیان پڑھیے۔ وہ رقم طراز ہیں:

”مسودہ مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم کے پاس بریلی تھا اس کے مبیضہ کے لیے مولانا مجیب الاسلام صاحب نسیم اعظمی کی خدمات حاصل کی گئیں۔ جس طرح فتاویٰ رجسٹروں کا حال ہوتا ہے کہ ریکارڈ کے دفتر میں سوال وجواب دونوں درج کر لیے جاتے ہیں اور اصل سائل کو بھیج دی جاتی ہے وہ ہی فتاویٰ رضویہ کا بھی حال تھا کہ مسائل مبوب اور مفصل نہ تھے پھر یہ بھی نہیں کہ نقل ہو..... جو دفعہ تیار ہوئی تھی بلکہ نقل در نقل ہوتے ہوتے موجودہ رجسٹر....... ہم مولانا موصوف کے بڑے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے بڑی عرق ریزی سے اس کتاب کو اپنی بساط بھر مبوب ومفصل کر کے مبیضہ کیا.................. بعض اوراق کیڑوں نے بری طرح چاٹ لیا تھا۔ ان میں جہاں جہاں اور کتابوں کی عبارت سے تصحیح ممکن تھی کر دی گئی، جہاں تک ماسبق اور مالحق سے عبارت بن سکتی تھی بنا دی گئی اور جہاں مجبوری تھی بیاض چھوڑ دی گئی ہے“[1]

مبیضہ کا اصل سے مقابلہ ---پھر مبیضہ سے کاپی کی تصحیح ---بعدہٗ پروف کی

---

(۱)ابن ماجہ

مطابقت میں پوری عرق ریزی اور نہایت احتیاط سے کام لیا گیا ہے--- مزید براں جہاں عربی عبارتیں نقل کی گئی ہیں، ان کی تصحیح متعلقہ کتابوں سے حتی الامکان کرلی گئی ہے---الغرض نقطہ نقطہ،شوشہ شوشہ،کی سحت کا خاص خیال رکھا گیا ہے اور بھر پور کوشش کی گئی ہے کہ کتاب صحیح اور مسودہ کے عین مطابق شائع ہوالخ۔"(۱)

غور فرمائیے! فتاویٰ رضویہ میں حوالوں کی کمی نہیں۔ہر عبارت کو اصل ماخذ سے ملانا کتنا مشکل کام ہے،ماخذ کی جلد اور صفحہ یا باب و فصل کی نشان دہی کتاب میں موجود ہو جب بھی ہر ہر عبارت کی متعلقہ کتابوں سے مطابقت کرنا بڑا طویل اور دشوار گزار عمل ہے---لیکن ناظرین کو معلوم ہوگا کہ بالعموم فتاویٰ رضویہ میں باب و فصل یا جلد و صفحہ کی نشان دہی نہیں۔اب مسئلہ کی عبارت ٹھیک متوقع محل میں مل گئی تو خیر، ورنہ نہ معلوم کتنے مقامات پر تلاش کرنا پڑے،اور کتنی مدت صرف ہوجائے،کوئی نہیں جانتا.............حدیث میں الفاظ حدیث تلاش کرنا،کتب فقہ میں فقہی عبارتوں کی بہ نسبت عمومی طور..........ہی مشکل ہے۔فتاویٰ رضویہ میں احادیث بھی ہیں،فقہی عبارات بھی تاریخ و سیر کے اقتباسات بھی، اور دوسرے فنون کی کتابوں کے مندرجات بھی ---ان سب کو اصل ماخذ سے تلاش کرکے نکالنا اور مطابقت کرنا بڑا صبر آزما کام ہے۔

پھر مسودہ وہ نہیں،جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ہاتھ کا لکھا ہو بلکہ کہیں ان کی تحریری ہے کہیں کسی ناقل کی،کیوں کہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ استفتا کسی کاغذ پر آیا اس پر مفتی نے خود جواب لکھا یا کسی سے لکھوا کر نظر ثانی کی یا پڑھوا کر سن لیا اور دست خط کر دیا۔پھر کسی ناقل نے فتاویٰ کے رجسٹر میں اسے نقل کر دیا۔ناقل نے اپنی نقل پر نظر ثانی کرلی تو اس کی مہربانی ورنہ کوئی بات نہیں---اور نظر ثانی اگر برق رفتاری سے ہوئی تو چھوٹے ہوئے کسی لفظ و حرف کا گرفت میں آنا مشکل ہی ہے---ماہرین نقل و تصحیح کا معاملہ

---

(۱) تفصیلی چارٹ عرض حال کے بعد درج ہے

https://alislami.net

الگ ہے۔

میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ فتاویٰ رضویہ میں جو فتاویٰ نقل ہوئے ان پر نظر ثانی نہیں ہوئی، یا ناقلین تغافل کیش تھے یا مہارت وصلاحیت سے خالی تھے کیوں کہ جس عمل کی تفصیلی حالت کی تحقیق نہ ہو اس کے بارے میں حتمی طور پر نفیًا یا اثباتًا کوئی دعوی کر دینا یقینًا دانش مندی سے بعید امر ہے---لیکن حافظ عبد الرؤف صاحب علیہ الرحمۃ کا بیان یہ ہے کہ جو نقل خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے زمانے میں تیار ہوئی تھی بعینہ وہی دست یاب نہ ہوئی۔ اس کی نقل ملی، بعینہ وہ بھی نہیں، جو ملی وہ بھی کرم خوردہ، ناصاف حالت میں، اب اس قسم کے مسودہ کی تحقیق وتصحیح جتنی مشکل ہے اسے وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنھیں کام سے پالا پڑا ہو۔

امام احمد رضا قدس سرہ کے حاشیۂ شامی کی نقل کو اعلیٰ حضرت کے اصل قلمی نسخہ سے مقابلہ کا کام جب راقم الحروف اور مولانا عبد المبین نعمانی انجام دے رہے تھے تو بہت سے مقامات پر بڑی زحمتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ خصوصًا جلد ثانی کا مقابلہ بہت دشوار ہوا جس میں راقم کے ساتھ مولانا نصر اللہ بھیروی تھے۔ کثرت استعمال سے بہت سے حواشی کی کچھ عبارتیں محو ہو گئی ہیں---اور کچھ تعیین نہ ہو سکی کہ یہاں کیا عبارت لائی جا سکتی ہے۔

جب کہ ہمارے کام میں اصل مراجع سے مطابقت کا التزام نہیں تھا۔ جہاں اصل حوالوں کو دیکھنے کی خاص ضرورت محسوس ہوئی وہیں مراجعت کی گئی پھر بھی اس میں سخت محنت ودشواری سے گزرنا پڑا "مقامع الحدید علیٰ خد المنطق الجدید" کا مبیضہ بہت صاف تھا مگر نقل در نقل کی وجہ سے متعدّد مقامات پر اصل مراجع کی جانب رجوع کرنا پڑا اور کافی وقت ومحنت صرف کرنے کے بعد میں اسے خاطر خواہ تبییض وکتابت کے مراحل سے گزار کر منظر عام لا سکا پھر بھی ایک دو غلطیاں رہ گئیں۔

فتاویٰ رضویہ کی ضخیم جلدوں میں حوالوں کی جو کثرت ہے محتاج بیان نہیں۔ ان

تمام حوالوں کو اصل کتابوں سے ملانا کتنا صبر آزما اور طویل عمل ہے۔ کوئی صرف دس بیس صفحات کر کے اندازہ لگا سکتا ہے۔ اس کے پیش نظر استاذ محترم علامہ حافظ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمۃ کی ہمتِ مردانہ، کاوشِ مجاہدانہ، اور احتیاط بلند کی داد دیے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ انھوں نے فتاویٰ رضویہ کو ایڈٹ کرنے کے سلسلہ میں جو سعی بلیغ فرمائی ہے راقم الحروف سے خود ایک بار اس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

"اتنی محنت کے بعد اتنی ضخیم کتاب خود لکھی جا سکتی تھی۔ یہ حقیقت ہے میں فخریہ نہیں کہتا"۔

خود مجھے جب اس قسم کے کاموں سے سابقہ پڑا تو حضرت کا یہ مقولہ حرف بحرف درست نظر آیا اور میری تفصیلات سے قارئین خود بھی اندازہ کر سکتے ہیں۔

جلد سوم اور جلد چہارم کی اشاعت خود ان کی حیات میں ہوگئی۔ جلد پنجم کے کئی سو صفحات کی کتابت بھی انھوں نے کرائی، جلد ششم، ہفتم، ہشتم کے مسودات پر نظر ثانی اور تبییض کا انتظام بھی انھوں نے کیا۔ مزید جو رسائل، مضامین و ابواب کے لحاظ سے ان جلدوں میں شامل ہونا چاہیے ان کو بھی یادداشتوں میں لکھ دیا۔

طریق کار یہ تھا کہ ایک بار پوری ایک جلد کا مسودہ خود پڑھتے ناصاف عبارتوں کو حاشیہ میں پنسل یا قلم سے صاف لکھ دیتے۔ اصل حوالوں کی مراجعت کرتے پھر جو مبیضہ ہوتا اس کا اصل سے مقابلہ کرتے پھر کتابت کا مبیضہ سے مقابلہ کرتے اور کتابت کی تصحیح کر کے کاتب کو واپس کرتے۔ کاتب اپنا نہ تھا بلکہ پریس کا تھا۔ پروف کی تصحیح میں کاتبوں کا حال معلوم ہے کہ بہت کچھ بناتے ہیں اور کچھ چھوڑ بھی دیتے ہیں یہ سانحہ فتاویٰ رضویہ کے ساتھ بھی ہوا وجہ ہے کہ صدرالشریعہ حضرت علامہ الحاج مبین الدین صاحب امروہوی سابق شیخ الحدیث دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف نے اپنے جامعہ نعیمیہ مرادآباد کے زمانۂ تدریس میں جلد سوم کے مطبوعہ نسخہ پر نظر ثانی فرمائی تو کئی صفحات کا صحت نامہ تیار ہو گیا---- حافظ عبدالرؤف صاحب کا معاملہ لکھنؤ کے

پریس سے تھا اور کاتب وہیں رہتا۔ اگر ان کا اپنا کاتب رہتا اور پروف کو دوسری تیسری بار دیکھنے کا موقع ملتا تو یقیناً اتنے لمبے صحبت نامہ کی گنجائش نہ نکل پاتی۔

انھوں نے جو طویل مجاہدہ کیا اس میں ان کا کوئی مستقل معاون نہ تھا تبییض کا کام مفتی مجیب الاسلام صاحب نسیم اعظمی اور مولانا سبحان اللہ امجدی بنارسی کے ذریعہ ہوتا باقی کام خود کرتے۔ مقابلہ کے لیے طلبہ میں سے چند ذی استعداد ہی افراد کو باری باری ساتھ کر لیتے اساتذہ یا علما میں سے کسی کا اس سلسلہ میں مستقل یا طویل تعاون نہ تھا اگرچہ ممکن ہے کہ چند گھنٹے کسی کسی زمانے میں کسی نے ساتھ دیا ہو لیکن ایک گراں بار اور طویل عمل میں چند گھنٹے یا چند ایام کی رفاقت کا اگر کچھ اعتبار ہے تو اس میں ان طلبہ کا حصہ بہت زیادہ ہے جو اکثر و بیشتر بلکہ بحیثیت مجموعی ہمیشہ شریک کار ہوتے اور ان کے شاہدوں کی کمی نہیں اس زمانہ میں جو طلبہ دار العلوم میں زیر تعلیم اور مقیم تھے سبھی اس کا مشاہدہ کرتے۔

یہ سارا کام غیر درسی اوقات میں ہوتا۔ حافظ جی علیہ الرحمۃ درس و مطالعہ کی بڑی سختی سے پابندی کرتے اور اوقات تعلیم میں کوئی خارجی کام قطعاً روا نہ رکھتے اگرچہ وہ ادارہ اور جماعت کے لیے کوئی بڑا اور اہم کام کیوں نہ ہو لیکن تعلیمی نقصان مقدار تعلیم کی کمی، طلبہ و ادارہ کے بنیادی مقصود اور اپنے فرائض سے بے توجہی انھیں کسی طرح گوارا نہ تھی۔ اس زمانہ میں دیگر مدرسین بھی اسی روش پر کاربند تھے۔

فتاویٰ رضویہ کے سلسلہ میں ان کی علمی کاوشوں کا جو سب سے زیادہ گراں قدر اور تابناک گوشہ ہے اس پر کم لوگوں کی نظر جاتی ہے لیکن میرے نزدیک سارے کام کی جان اور سب سے بیش بہا جوہر وہی ہے۔ اسے میں ذرا تفصیلا سے عرض کرنے کی جسارت کروں گا۔

وہ اہل نظر جن کا کسی مخطوطہ کی تحقیق سے سابقہ پڑ چکا ہو یا ایسے ماحول کے پروردہ ہوں جہاں ایڈٹ کا کام ہوتا ہے اور اسے خاطر خواہ اہمیت دی جاتی ہے تو وہ بہر حال مذکورہ کام کی قدر و منزلت کا اندازہ کر سکتے ہیں اور اسے قرار واقعی درجہ دے سکتے ہیں لیکن

ایسے افراد کو شاید انگلیوں پر گننے کی بھی ضرورت نہ پڑے خصوصًا اس زمانہ میں جب استاذِ محترم یہ کام انجام دے رہے تھے۔

عوام تو عوان اکثر خواص اور علما کا یہ حال ہے کہ ناول سائز کے سو پچاس صفحات پر مشتمل کوئی کتاب اگر کسی نے لکھ دی اور وہ دوسرے کی اصلاح ونظر ثانی اور محنت وکوشش کے بعد شائع ہوئی۔ جب بھی اسے لکھنے والے کا ایک کارنامہ شمار کرتے ہیں اور اصلاح والے کو تو قطعًا کسی خانہ میں نہیں رکھتے۔ اسی طرح مصنف کے پانچ چھ سو صفحات کا مسودہ اگر کسی نے نئے انداز سے عنوانات، فہرست، پیراگراف کی تبدیلی عبارتی نشانات وغیرہ سے آراستہ کرکے شائع کیا تو یہ بھی کسی خانہ میں شمار نہیں ہوتا، کام صرف مصنف ہی کا شمار ہوتا ہے۔ مزید براں کسی بڑے مصنف کے مخطوطہ کو تحقیق وتفتیش کے ساتھ منظر عام پر لا بھی کوئی زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور ایڈٹ کرنے والے نے اپنے حزم واحتیاط، بلند پایہ ذوق تحقیق کے تحت مصنف کے دیے ہوئے حوالوں اور عبارتوں کی اصل سے مراجعت بھی کر ڈالی تو یہ قطعًا مذکورہ حضرات کے لیے کوئی محسوس ہونے والی چیز ہی نہیں۔ اس لیے اسے کچھ شمار کرنے کا کوئی سوالہ ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اس ماحول میں ہم دیکھتے ہیں کہ علمی قابلیت اور قلمی صلاحیت رکھنے والے حضرات خود کوئی کتاب لکھنا اور اسے کتابت، تصحیح، طباعت اشاعت، ترسیل ومراسلت وغیرہ کے تمام مراحل سے گزارنا تو گوارا کر لیتے ہیں لیکن اپنے اکابر میں سے کسی بلند پایہ شخصیت کے مخطوطات پر دماغ سوزی اور جانفشانی انھیں قطعًا گوارا نہیں ---کیوں کہ وہ جس ماحول میں رہتے ہیں اس طرح کا کام بالعموم صفر سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ اُن میں بعض حضرات کے پیش نظر یہ خیال بھی ہوگا کہ جن موضوعات پر لکھا جا چکا ہے اور جو کام مسودہ کی حد تک ہو چکا ہے وہ کبھی بھی اور کسی کے ذریعہ بھی منظر عام پر آسکتا ہے۔ لیکن جو شعبے اب تک تشنۂ تحریر ہیں انھیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور اگلی

https://alislami.net

نسل سے زیادہ توقع نہیں کہ وہ خاطر خواہ ان موضوعات سے عہدہ برآ ہو سکے اس لیے خود کچھ لکھ کر جانا چاہیے۔

لیکن کیا سارے اہل قلم ایسے ہی ہیں اور سارے ارباب صلاحیت کے اندر یہی جذبہ کارفرما ہے؟ نہیں بلکہ اکثر میں یہی ذوق ملے گا کہ اپنی بقا کے لے اپنی تحریر منظر عام پر لانا ہی ضروری ہے۔ مجھے اس ذوق کی تحقیر قطعًا مقصود نہیں۔ یقینًا اہل علم اور اہل دین کے لیے ہر علمی و دینی کام خواہ وہ کسی کے قلم سے ہو نفع بخش اور جماعتی وقار کا ذریعہ ہے جس پر توجہ اور محنت کی ضرورت سے انکار یقینًا سفاہت و جہالت کے دائرہ میں شمار ہوگا۔ ساتھ ہی ایک قابل قدر کام کی ناقدری اور کام کرنے والوں کی ہمت شکنی کا بھی حامل ہوگا۔

مجھے صرف یہ واضح کرنا ہے کہ اپنی تصنیف اور اس کی اشاعت میں مصنف کے لیے بہت سے حوصلہ افزا جذبات مہمیز کا کام کرتے ہیں لیکن کسی قدیم تصنیف پر اپنی تصنیف کے برابر کم و بیش محنت صرف کر کے اسے شائع کرنے میں قطعًا اس قسم کے جذبات کی ہم نوائی نہیں ہوتی جس کے باعث وہ بڑا ہی صبر آزما، ہمت شکن اور جان سوز کام بن جاتا ہے جو کسی ایسی ہی بلند خیال، عزیمت کیش اور پر عزم شخصیت کے خانۂ اعمال میں شامل ہو سکتا ہے، جسے اخلاص و بے نفسی، دینی امنگ، سرمایۂ علمی سے محبت، اکابر سے عقیدت، جماعت سے ہم دردی، اپنی ناموری اور عزو شہرت کے نفع بخش اور ہمت افزا تصورات سے کنارہ کشی کا وافر حصہ قدرت نے ارزانی کیا ہو۔

میرا جہاں تک اندازہ اور مشاہدہ ہے وہ یہی کہ استاذ محترم نے جس زمانے میں کام کیا ہے، ماحول کما حقہ، قدر شناس کا نہ تھا اور ان کی جو کچھ پذیرائی ہوئی وہ ان کی محنتوں کے تناسب سے نہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ عرصۂ دراز سے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی قلمی کتابیں منظر عام پر آنا بند تھیں۔ ایک قلمی کتاب جو بہت ساری چھوٹی چھوٹی کتابوں پر بھاری ہے فتاویٰ رضویہ اسے مولانا حافظ عبد الرؤف صاحب قبلہ نے شائع کر دیا

https://alislami.net

مگر اشاعت کی دشواری اور اس طویل سفر کی سرگزشت اس کے خارزار مراحل کیا ہیں اور کس طرح سر ہوئے۔ اس کا صحیح اندازہ کرنے اور اس پر ناشر کو مبارک باد دینے والوں کی تعداد پورے برصغیر میں سو بلکہ پچاس افراد تک بھی نہ رہی ہوگی۔

انتہا یہ ہے کہ ان کے قریبی رفقا کو بھی اس راہ میں شب و روز کی مشقتوں، محنتوں اور قربانیوں کا کوئی تجربہ اور صحیح اندازہ نہ تھا، بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان صاحب اعظمی کے یہ الفاظ چشم بصیرت سے پڑھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہیں:

"مولانا عبد الرؤف صاحب علیہ الرحمۃ اکیلے ہی سب کام کر لیا کرتے تھے۔ اس لیے ہم لوگوں کو کچھ احساس نہیں ہوتا تھا لیکن اب جبکہ کام سے سابقہ پڑا تو معلوم ہوا کہ کام کتنا مشکل اور زہرہ گداز ہے"۔

جس دور میں متبحر قسم کے ارباب فضل و کمال کو کسی عظیم مخطوطہ کی تحقیق و اشاعت کی راہ میں پیش آنے والی دشواریوں اور جاں گداز مراحل کا اندازہ نہ ہو اس وقت کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ عام اہل علم کی طرف سے کماحقہ کوئی پذیرائی اور حوصلہ افزائی ہوئی ہو، پذیرائی اور ہمت افزائی اسی وقت بروئے کار آسکتی ہے جب اس کے پیچھے قدر آشنائی اور عمل شناسی موجود ہو۔

الحاصل ان حالات میں حضرت استاذ کے طویل مجاہدہ کی قدر و قیمت بہت بڑھ جاتی ہے۔ اب بلاشبہہ ماحول بدل چکا ہے اور علوم و فن، تجربہ و عمل کی ترقی کے ساتھ قدرداں اور قدردانیوں میں بھی ترقی آئی ہے اس لحاظ سے تمام تر دشواریوں کے باوجود جو مردانِ کار کی تسلی و ہمت افزائی کے لیے بفضلہ تعالیٰ بہت کچھ سامانِ پذیرائی فراہم ہو چکا ہے ہمت کر کے اس قسم کے مشقت خیز کاموں کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔

فتاویٰ رضویہ کے سلسلہ میں اب تک جو کچھ بیان ہوا وہ اس میں صرف ہونے والی علمی صلاحیت اور صلہ و ستائش سے دور رہ کر مخلصانہ سعی و محنت کا جائزہ ہے لیکن حضرت کی بے نفسی اور جاں فشانی کا یہ صرف ایک رخ ہے۔ انہماک و دل سوزی کا ایک

https://alislami.net

رخ اور رہے، جو بڑا ہی درد انگیز اور عبرت خیز ہے۔
کسی محقق طبع اور بلند حوصلہ وفاضل کے لیے کسی علمی و تحقیقی کام میں ایک روحانی سرور اور علمی جوش وولولہ کارفرما ہوتا ہے جو اس سے بڑی سے بڑی تحقیقات کرالیتا ہے ایسی تفتیش وجستجو بھی جسے آنے والی دنیا نہ جان سکے نہ اس پر کوئی داد دے سکے لیکن محقق کا ذوق تحقیق ہوتا ہے، جو ساری محنتوں سے اسے مردانہ وار گزار دیتا ہے---لیکن کسی بلند رتبہ عالم کے لیے ایسا کوئی کام سرانجام دینا بڑا ہی مشکل ہوتا ہے جس میں کسی علمی سرور اور ذہنی تسکین کا سامان بھی نہ ملتا ہو مثلاً کتابت کے لیے کاتبوں سے معاملہ کرنا، اُجرتوں کی تعیین، کتاب کے تقاضوں اور لین دین کے مراحل سے گزرنا، پریس جانا، کاغذ خریدنا، پریس پہنچانا، کتاب چھپ گئی تو پارسل بنوانا، حمل ونقل کے ذرائع سے معاملہ کرنا، اپنے شہر میں لانا، مستقر تک ڈھونا یا پہنچ وانا، پھر کتاب کی نکاسی اور دوسری کتاب کی تیاری کے لیے خریداروں کو مطلع کرنا، اشتہارات نکالنا، آرڈر آ گئے تو پارسل بنانا، بل تیار کرنا، پتے درج کرنا، اِرسال کرنا، منی آرڈر وصول کرنا، بقایا رقوم کے لیے تقاضے کے خطوط لکھنا، حسابات درج کرنا، یہ سب ایسے مراحل ہیں، جن سے نفس علم وتجربہ میں تو اضافہ ضرور ہوتا ہے لیکن عموماً ان سب کا کسی علمی کام کے خانہ میں نہ شمار ہوتا ہے نہ دماغ سوز محققین کو ان سے کوئی علمی سرور حاصل ہوتا ہے بلکہ یہ ان کے لیے اور ان کے کاز کے لیے بسا اوقات مضر ہوتا ہے، اس لیے اس سے پریشاں خاطری اور بعض لوگوں کے اندر چڑچڑا پن بھی پیدا ہو جاتا ہے اور جو اوقات اس میں صرف ہوتے ہیں وہ علمی کام میں صرف ہوں اور اسے دوسرے لوگ انجام دیں تو یہ عالم و محققین کی صلاحیتوں کا مناسب اور بہتر استعمال ہوگا اور جو تحقیقی کاموں کی استعداد نہیں رکھتے مگر معاملات میں ہوشیار و تجربہ کار ہیں ان کا بھی ایک دینی علمی تبلیغی شعبہ سے قریب اور مناسب مصرف نکل آئے گا اور وہ اگر حسنِ نیت سے اس کاز کو آگے بڑھائیں تو اجر عظیم کے مستحق بھی ہوں گے۔

اب آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی اور دردوالم بھی کہ مولانا حافظ عبد الرؤف صاحب علیہ الرحمۃ نے فتاویٰ رضویہ کے ساتھ صرف علمی و تحقیقی محنتیں ہی نہیں صرف کی ہیں، بلکہ وہ سارے مراحل طے کیے ہیں جو ایک ماہر حساب کلرک، ایک ماہر معاملہ کار، (طباعت، ترسیل و مراسلت کرنے والے ذمہ دار) کو کرنا چاہیے تھا مگر سنی دارالاشاعت کے پاس اتنا سرمایہ نہ تھا کہ دو مستقر ملازموں کی گنجائش نکل پاتی نہ ہی اشرفیہ کی بھری بزم میں کوئی ایسا مونس وغم خوار، جو اس قسم کی غیر علمی جاں فشانی اپنے ذمہ لے سکے۔ علمی کاموں کے لیے عذر یہ تھا کہ ان کے لیے جو صلاحیت و دیدہ وری درکار ہے اس کے لائق آپ ہی کی ذات گرامی ہے اور غیر علمی کاموں کے لیے یہ عذر کہ ہمیں نہ اس کا کوئی تجربہ ہے، نہ یہ کام ہماری شانِ والا کے لائق مگر جس نے کام کا بیڑا اٹھایا ہے اسے تو بہر حال ہر ''ہفت خواں'' سر کرکے ہی گزرنا ہے۔ استاذ گرامی مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ جلد پنجم کے ابتدائیہ میں رقم طراز ہیں:

''واقعہ یہی ہے کہ مولانا عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمۃ سنی دارالاشاعت کی اسکیم بنانے والے تنہا تھے۔ اس کے بعد چندہ وصول کرنے میں وہی پیش پیش، بریلی شریف سے فتاویٰ کا مسودہ وہی لائے۔ مبیضہ انھوں نے کرا دونوں کا مقابلہ حرف بحرف انھوں نے ہی کیا، پریس والوں سے معاملہ انھیں کا کام تھا، کاپی، پروف، فہرست وعنوان کی تیاری، بار بار لکھنا جانا، حتیٰ کہ کتاب بھی خود ہی لانا اور یہاں طالب علموں کے ساتھ مل کر بنڈل ڈھونا، کس کس بات کو یاد کیا جائے کتاب چھپ گئی تو لوگوں کو خطوط لکھنا، آرڈر بک کرانا، ان کے لیے پارسل سینا، اس کو بھیجنا، کون سا کام ہے جو تنہا مولانا نے نہ کیا ہو اور اس خاموشی اور بے نیازی سے کہ نہ صلے کی خواہش، نہ داد کی پروا''۔

یہی خاموشی و بے نیازی ان کے کام کی جان اور ان کی روحانیت کا اصل روپ ہے جسے دیکھ کر استاذ محترم علامہ عبدالرؤف بلیاوی علیہ الرحمۃ کے استاذ الاستاذ حضرت صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ کی وہ کاوشیں اور غیر علمی محنتیں یاد آتی ہیں جو انھوں نے مطبع

اہل سنت بریلی شریف سے تصانیف امام احمد رضا اور دوسری علمیات کی اشاعت کے تعلق سے تدریس وافتا اور فیصلہ وقضا وغیرہ کی عظیم ذمہ داریوں کے ساتھ سرانجام دیں جن پر آج داد دینے والا بھی کوئی نظر نہیں آتا مگر بنائے زمانہ کے لیے جائے عبرت ہے کہ اشاعت دین کی راہ میں وسائل کی کمی، مخلصانہ تعاون کی قلت اور خالص علمی جدوجہد سے سرمایہ داروں کی بے خبری وبے توجہی کے باعث ایک بلند پایہ عالم بلکہ راس العلما کو اپنے اونچے منصب سے بہت نیچے اتر کر بھی نہایت دل سوزی وجاں فشانی کے ساتھ بہت کچھ کرنا پڑتا ہے لیکن اخلاص وللّٰہیت کا جذبۂ فراواں اور خدمت دین کا سوز دروں ایک ایسا سررشتہ ہوتا ہے جو بلند وپست دونوں قسم کے کاموں کو رب قدیر وکریم کے حضور خاص اور قرب جاں نواز میں ایک ہی صف میں کھڑا کر دیتا ہے اور اس کی قدر داں، قدر افزا اور فضل فرما سرکار میں مخلصین کی کوئی بھی محنت وکاوش رائیگاں نہیں جاتی۔ اللّٰھم ارزقنا نصیبا منہ۔

سنی دار الاشاعت کی حیثیت

یہ تو متعین ہے کہ سنی دار الاشاعت کا قیام ایک قومی ادارہ کی حیثیت سے عمل میں آیا اس کے لیے ملک کے مختلف گوشوں سے باضابطہ عوامی چندہ فراہم کیا گیا۔ حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب مرادآبادی علیہ الرحمۃ شیخ الحدیث دار العلوم اشرفیہ نے جامع مسجد مبارک پور میں اس کی تاسیس اور ضرورت واہمیت کا ذکر فرماتے ہوئے چندہ کی اپیل کی اور دوسرے متعدّد مقامات پر اس کے لیے تعاون حاصل کیا گیا۔ چندہ کا کام عموماً وفد کی صورت میں ہوتا۔ جس میں حافظ ملت بھی شریک ہوتے اور اشرفیہ کے بعض اساتذہ بھی، مولانا عبد الرؤف علیہ الرحمۃ رقم طراز ہیں:

"طباعت کے سلسلے میں سب سے اہم اور بنیادی سوال سرمایہ کا تھا اور عوام اہل سنت کی غربت کی وجہ سے نہایت مشکل بھی، اس لیے اراکین سنی دار الاشاعت کو بے حد جدوجہد کرنی پڑی اور یوپی، بہار، بنگال سبھی جگہ دورہ کرنا پڑا تب جاکر رقم فراہم

ہوئی، بریلی میں محترم ساجد علی خاں صاحب، مولانا شریف الحق صاحب اور مولوی مجیب الاسلام صاحب جمشید پور میں علامہ ارشد القادری صاحب، ضلع گونڈہ میں تلسی پور، لوکھوا، بلرام پور، اوڑاجھار، علاقہ بھانبھر میں پچپڑوا، رام نگر، ناو ڈیہ، بستی میں خلیل آباد، براؤں، امرڈوبھا، مہنداول، ضلع اعظم میں مبارک پور، خیر آباد، ابراہیم پور، محمد آباد، سکڑی، مئو، ادری، گھوسی وغیرہ مختلف دیار وامصار کے احباب اہل سنت نے ہر طرح مدد کی جس کے لیے ہم سبھی احباب کے شکر گزار ہیں"۔ (۱)

اس تفصیلا کی روشنی میں یہ امر واضح ہے کہ سنی دارالاشاعت مولانا عبدالروف صاحب علیہ الرحمۃ کا ذاتی ادارہ نہ تھا----بلکہ خود مولانا عبدالروف صاحب علیہ الرحمۃ کی تحریروں سے یہ بھی واضح ہے کہ سنی دارالاشاعت دارالعلوم اشرفیہ ہی کا ایک شعبہ ہے۔

جنوری تا دسمبر ۱۹۵۹ء کی کارکردگی پر مشتمل دارالعلوم کی سالانہ روداد کے صفحہ ۴۱ پر یہ رپورٹ درج ہے:

سنی دارالاشاعت یہ مستقر شعبہ دارالعلوم کے حوصلہ مند مدرسین کی نگرانی میں قائم ہوا ہے۔ اس کے لیے ابتدائی سرمایہ دس ہزار روپیے طے کیا گیا ہے جس میں سات ہزار روپیے بذریعہ چندہ فراہم ہو چکے ہیں ادارہ کی سب سے پہلی اشاعت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کی فتاویٰ رضویہ جلد ثالث (کتاب الصلوٰۃ) ہوگی اگر قوم نے ادارہ کی ہمت افزائی کی تو یہ مفید ادارہ اہل سنت کی بیش بہا تصانیف شائع کرتا رہے گا"۔

تیسری جلد چھپ کر منظر عام پر آئی تو دارالعلوم کی روداد میں یہ رپورٹ شائع ہوئی:

"دارالعلوم کے حوصلہ مند مدرسین کی نگرانی میں قائم ہونے والا یہ اہم ادارہ ہے جس کی طرف سے پہلی معرکۃ الآرا کتاب فتاویٰ رضویہ جلد سوم مارکیٹ میں آگئی ہے۔ تقریباً ساڑھے آٹھ سو صفحہ پر پھیلا ہوا علم و معرفت اور علوم اسلامیہ کا یہ بیش

---

(۱) فتاویٰ رضویہ جلد سوم، عرض حال، ص: ش

https://alislami.net

بہا خزانہ دارالعلوم کے عظیم کارناموں کی ایک تازہ مثال ہے اگر قوم نے اس کی اشاعت میں ہاتھ بٹاکر ہماری ہمت افزائی کی تو اس کی بقیہ جلدیں منظر عام پر آجائیں گی۔ چوتھی جلد کی طباعت کے انتظامات ہورہے ہیں"۔ (۱)

سنہ مذکور تک حاجی محمد عمر صاحب ناظم اعلیٰ تھے اس کے بعد جب مولانا قاری محمد یحییٰ صاحب ناظم اعلیٰ اور مرتب روداد ہوئے تو ان کی نظامت میں ہی سنی دارالاشاعت سے متعلق مذکورہ بالا رپورٹ شائع ہوتی رہی۔ ۸۲،۸۱ھ کی روداد ص:د-پر بعینہ وہی الفاظ درج ہیں جو اوپر نقل ہوئے---اس کے بعد ۸۳،۸۲ھ کی رپورٹ میں صرف یہ ترمیم ہے کہ "بلکہ اس کا (جلد سوم کا) پہلا ایڈیشن ختم ہورہا ہے۔ چوتھی جلد کی طباعت شروع ہوگئی ہے الخ"--- ۸۴،۸۳ھ کی رپورٹ میں بھی یہی الفاظ ہیں----۸۵،۸۴ھ کی روداد میں جلد چہارم سے متعلق کام کی دشواری کا ذکر ہے۔ باقی خبر حسب سابق ہے۔ الغرض سالہائے مذکور اور دیگر سالوں کی رپورٹوں میں اس بات کی واضح صراحت موجود ہے کہ یہ دارالعلوم ہی کا ایک مستقر شعبہ ہے اور فتاویٰ رجویہ کی اشاعت دارالعلوم ہی کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔

مزید براں جب جلد چہارم منظر عام پر آئی تو ۸۷،۸۶ھ۱۳۸۶ مطابق ۶۷،۱۹۶۶ء کی روداد میں خود ناظم سنی دارالاشاعت کی طرف سے یہ اطلاع شائع ہوئی:

"فتاویٰ رضویہ جلد چہارم صفحات ۷۵۰، سائز 18x22/14 کاغذ گلیز، کتابت طباعت معیاری، قیمت مجلد ۲۴/روپے، غیر مجلد ۲۰/روپے۔ ملنے کا پتا: سنی دارالاشاعت اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی۔

دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور اپنی نمایاں دینی خدمات کی وجہ سے محتاج تعارف نہیں رہا۔ شعبۂ تعلیم اور دارالافتا کے ساتھ ساتھ فتاویٰ رضویہ کی طباعت ادارہ کی غیر معمولی خدمت ہے"۔

---

(۱) ص ۴، روداد رجب ۱۳۸۰ھ تا جمادی الآخرہ ۱۳۸۱ھ/دسمبر ۱۹۶۰ء تا دسمبر ۱۹۶۱ء

https://alislami.net

۸۸،۸۷ھ کی روداد میں بھی جلد چہارم کا اشتہار اور جلد پنجم کے انتظام کی اطلاع دی گئی ہے ان سب سے یہ معاملہ بالکل واضح ہے کہ ناظم سنی دارالاشاعت حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب بلیاوی علیہ الرحمۃ نے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کرنے کے باوجود سنی دارالاشاعت کو دارالعلوم ہی کا ایک شعبہ اور فتاویٰ رضویہ کی اشاعت کو دارالعلوم ہی کا ایک کارنامہ قرار دیا۔

مالِ دنیا کی طمع، اور شہرت و ناموری کی حرص استاذ مرحوم کے پائے ثبات کو کبھی لغزش نہ دے سکی وہ اپنی عسرت کے باوجود ہمیشہ قومی سرمایہ کے امین اور مادر علمی کے دردمند مخلص کی صورت میں جلوہ گر رہے۔ ہر پست حرص و طمع کو انھوں نے ہمیشہ یہ کہتے ہوئے ٹھوکر ماری۔

برو ایں دام بر مرغ دگر نہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

۱۴ر شوال ۱۳۹۱ھ جمعہ کو جب استاذ محترم کا وصال ہوا تو اس وقت دارالعلوم اشرفیہ کے سابق شیخ الحدیث استاذنا الکریم حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ اشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ اور تمام شعبوں کے مرجع تھے --- حافظ عبدالرؤف صاحب کی اچانک رحلت کے بعد بقول استاذ گرامی مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ ”سنی دارالاشاعت کی بے گور و کفن لاش پڑی رہی“ سنی دارالاشاعت کے ارکان کا کہیں پتہ نہ تھا نہ اس ادارہ کی کوئی فکر، خیال آیا تو اسی کو جو تمام شعبوں کا مرجع و ماویٰ تھا۔

حافظ ملت نے اسے نشاۃ ثانیہ بخشی۔ ناظمان دارالعلوم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب اور حضرت مولانا قاری محمد یحییٰ صاحب کو اس کام پر مامور فرمایا۔ ان لوگوں نے حساب کتاب کرکے گاڑی کو ایک رخ پر لگایا۔ چوں کہ یہ حضرات مدرسہ کی انتظامیات میں مصروف رہتے تھے اس لیے انھوں نے حضرت مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ کو آمادہ کیا اور انھوں نے اس کی بہت ساری ذمہ داریاں اپنے سر اٹھا لیں۔

https://alislami.net

جب سنی دارالاشاعت کی تاسیس ہوئی اس وقت بھی حافظ ملت قدس سرہ نے اپنی دلی مسرت کا اظہار کیااور نہ صرف یہ کہ خوشی ظاہر کی بلکہ اس کے لیے خون کی فراہمی اور مالیاتی دوروں میں بھی حصہ لیا۔ سرمایہ کے حصول میں ان کے اثرو سوخ اوران کی شخصیت پر قوم کے عظیم اعتماد کا بھی بہت بڑا دخل ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ کتاب چھپ کر آگئی تو مایوس کن حالات میں اس کی نکاسی کے لیے بھی زبردست جدوجہد کی۔ تقریری جلسوں میں اس ضخیم کتاب کی جلدیں ساتھ لے کر جاتے، اہل علم اور اہل ثروت کو ترغیب دے کر خریدواتے اور واپس آکر قیمت ناظم ادارہ کے حوالہ کرتے بظاہر یہ کام بڑا آسان معلوم ہوتا ہے لیکن کسی بلند پایہ شخصیت کو ایسی ضخیم کتابوں کی "مفت باربرداری" سے سابقہ پڑے تو پتہ چل سکے گا کہ اس کے لیے کتنی ہم دردی و محنت اور ہمت واخلاص کی ضرورت ہے۔

حساب کا جائزہ:

حضرت مفتی عبدالمنان صاحب کے قلم سے جلد پنجم کے آغاز میں جو رپورٹ شائع ہوئی ہے اس کی روشنی مین میں نے حساب لگایا تو ثابت ہوا کہ فتاویٰ رضویہ سوم کی طباعت کے وقت دس ہزار روپیہ کے قریب جو رقم فراہم کی گئی تھی وہ مع نفع کے حافظ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمۃ کے وصال کے وقت کل کی کل موجود تھی اگرچہ کاغذ اور کتابت وغیرہ کی شکل میں تھی، نقد صرف سو روپے تھے۔

فتاویٰ رضویہ سوم کی قیمت بارہ روپے رکھی گئی تھی جس کے بارے میں جلد چہارم کے شروع میں یوں تصریح ہے کہ:

"محرم ۱۳۷۹ھ مطابق جولائی ۱۹۵۹ء میں فتاویٰ رضویہ جلد سوم کا اہتمام شروع ہوا۔ ۲۷ر صفر ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۰ر اگست ۱۹۶۱ء کو کتاب منظر عام پر آگئی۔

جس وقت کتاب شائع ہوئی ماحول انتہائی تاریک، حالات بے حد مایوس کن اور ہمت شکن تھے خود ناشر کو یہ بھروسہ نہیں تھا کہ ایسی ضخیم اور خالص علمی کتاب نکل

سکے گی۔اس لیے اس وقت دام بھی تقریبًالاگت کے برابر رکھا گیا تھااور تاجرانہ اصول کے خلاف کمیشن وغیرہ کا جھگڑا ختم کر دیا گیا"۔(۱)

اس بیان کی روشنی میں اندازہ ہوا کہ لاگت دس روپیے تھی اور قیمت بارہ روپیے رکھی گئی۔ جلد چہارم کی اشاعت کے وقت جلد سوم کے ڈیڑھ سو نسخے موجود تھے جن کی مالیت ڈیڑھ ہزار روپیے ہوتی ہے۔ جلد چہارم کی قیمت بیس روپیے رکھی گئی تھی اور یہ تقریبًا لاگت کے برابر نہ تھی بلکہ تاجروں کو کمیشن دینے کا خیال بھی رکھا گیا تھا اس لیے اس کی لاگت تقریبًا چودہ ہزار روپیے ہوگی۔ مزید رقم کی فراہمی کے لیے یا تو چندہ ہوا ہو یا قرض لیا گیا ہو۔ چندہ کی کوئی اطلاع نہیں اس لیے قرض ہی قرین قیاس ہے۔اب حضرت کے وصال کے وقت جو اثاثہ ملا وہ حسب ذیل ہے میں اس زمانہ کے ریٹ کا لحاظ کرتے ہوئے ہر چیز کی تخمینی مالیت متعین کی ہے۔

اثاثہ	مالیت
کلام مجید ۱۰۰؍نسخے	۱۵۰۰
فتاویٰ رضویہ جلد سوم ۱۰۰؍نسخے	۱۰۰۰
فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ۳۰۰؍نسخے،لاگت فی نسخہ ۱۴؍روپیے	۴۲۰۰
متفرق کتابیں جو تبادلہ میں آئیں	۱۰۰۰
نقد	۱۰۰
کتاب جلد پنجم ۴۳۳؍صفحات، بحساب ۵؍روپیے فی صفحہ	۲۱۶۵
طباعت شدہ جلد پنجم، ۹۶؍صفحات کاغذ ۲۴؍ریم بحساب ۵۰؍روپیہ فی ریم طباعت ۲۴؍فارم بحساب ۱۰؍روپیے فی فارم	 ۱۲۰۰ ۲۴۰
۶۶؍ریم کاغذ پریس کے ذمہ، بحساب ۵۰؍روپیہ فی ریم	۳۳۰۰

(۱)فتاویٰ رضویہ جلد چہارم، عرض حال، صفحہ ف۔ بقلم: مولانا عبد الرؤف علیہ الرحمۃ

https://alislami.net

تیرہ ہزار آٹھ سو پانچ روپیے صرف	۱۳۸۰۵

جلد چہارم کی طباعت میں تقریباً ۱۴ر ہزار روپیے صرف ہوئے جس میں کم از کم دو ہزار روپیے قرض کی رقم ضرور تھی جسے واپس کرنے کے بعد بھی تقریباً چودہ ہزار روپیے کا اثاثہ مکمل طور پر سنی دارالاشاعت کے تحت موجود تھا۔ جس کا سبب یہ ہے کہ جلد چہارم کچھ نفع کے ساتھ فروخت ہوئی۔ واضح رہے کہ میں نے جو مالیت متعین کی ہے وہ کم سے کم اندازہ کے مطابق ہے ممکن ہے اصل مالیت اس سے زیادہ بنتی ہو لیکن اس سے کم ہرگز نہ ہوگی۔

اس تفصیلا کی روشنی میں استاذ گرامی حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف صاحب کی امانت و دیانت کا جوہر عیاں ہے۔

اب یہ شعبہ مکمل طور پر حضرت مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ کے زیر تسرف ہے جس کی ابتدا ماسبق میں ذکر ہو چکی ہے۔ حضرت ممدوح کے زیر اہتمام ششم، ہفتم، ہشتم شائع ہوئیں اور پنجم کا بھی اکثر حصہ انھوں نے ہی مکمل کرا کے شائع کیا۔ تقریباً بیس سال سے وہ یہ خدمت سر انجام دے رہے ہیں کام کی جو دشواری اور صعوبت ہے اس پر سیر حاصل گفتگو شروع میں ہو چکی ہے ---موصوف خود ایک متبحر عالم، صاحب طرز اہل قلم اور کہنہ مشق مصنف ہیں وہ چاہتے تو اسے چھوڑ کر خود اپنی کتابیں منظر عام پر لاتے مگر اپنی بہت سی تصانیف ناتمام چھوڑ کر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے رشحات قلم کی تحقیق واشاعت میں وقت اور محنت صرف کرنا تمام اہل علم کی قدر دانی اور حوصلہ افزائی کا مستحق ہے۔ اس میں جو ایثار ہے اسے بہت کم لوگ سمجھ پاتے ہیں کیوں کہ اب بھی ایسے افراد زیادہ تعداد میں ملیں گے جو تصنیف کو بہت اہم خدمت شمار کرتے ہیں۔ اور تحقیق واشاعت کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے حالاں کہ نہ ہر تصنیف اہم اور مشکل ہوتی ہے نہ ہر اشاعت سہل اور آسان ---اب تو ایسی ایسی غیر معیاری اور سطحی کتابین دیکھنے کو ملتی

https://alislami.net

ہیں جنھیں تصنیف کا باوقار نام دیناہی بے جا ہے --- اور کسی جامع علوم اور ماہر فنون کے قلمی مسودے کی تحقیق کر کے اسے صحبت کے ساتھ شائع کرنا ایسا دشوار گزار عمل ہے جس میں اچھے اچھے علما ناتجربہ کار ثابت ہوتے ہیں اور ان کی شائع کردہ کتابوں میں قاری کو بے شمار الجھنوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح کا فرق ہرگز نظر انداز نہیں ہونا چاہیے۔

بہر حال امام احمد رضا قدس سرہ کے فتاواے مبارکہ کی تحقیق واشاعت وہ اہم خدمت ہے جس پر مولانا حافظ عبد الرؤف صاحب علیہ الرحمۃ کے بعد بحر العلوم کے بھی ہم بے پناہ ممنون ہیں۔ رب کریم انھیں سبھی اہل علم کی جانب سے جزائے فراواں عطا فرمائے۔

بھیرہ، ولید پور	محمد احمد مصباحی
۲۵؍ رجب ۱۴۱۰ھ پنجشنبہ	رکن المجمع الاسلامی
۲۲؍ فروری ۱۹۹۰ء	استاذ دار العلوم اشرفیہ مبارک پور

باسمہ وحمدہٖ والصلوٰۃ علیٰ نبیہٖ وجنودہٖ

جامع معقول منقول علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی ثم مبارک پوری علیہ الرحمۃ گوناگوں

https://alislami.net

خوبیوں کے مالک اور مختلف علوم وفنون کے ماہر تھے، ان کے فضائل کمالات کی تصدیق کے لیے سب سے نمایاں اور تشفی بخش ثبوت یہ ہے کہ ان کی علمی وفنی مہارت کا چرچا صرف ان کے تلامذہ کی زبانوں پر نہیں بلکہ ان کے اساتذہ اور ان کے وہ اکابر جن سے موصوف کو رشتۂ تلمذ بھی نہیں اور ان کے معاصرین (جبکہ معاصر اپنے معاصر کے کمال کا اعتراف بآسانی نہیں کرتا) سب کے سب ان کے زمانۂ حیات ہی سے ان کی علمی برتیر، فنی مہارت، تدریسی کمال، انتظامی و تعمیری فکر و تدبر اور قومی و ملی دل سوزی و محنت کا برملا ذکر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ انھیں جاننے پہچاننے والے کم تھے اس لیے کہ ان کی زندگی پر سادگی، کم گوئی، جلسوں اور تقریروں سے کنارہ کشی اور نمود وریا کے ہر دل کش موقع سے دوری کی دبیز چادر پڑی ہوئی تھی، اس لیے ان کو سمجھنا اُن عوام اور کم سواد علما کے بس کی تو بات ہی نہ تھی جن کے نزدیک ظاہر کی دلکشی ہی سب کچھ ہے۔

مجھے ان کی شخصیت سے سب سے زیادہ جس چیز نے متاثر کیا وہ بآں فضل وکمال ان کی یہی سادگی و بے نفسی ہے اور بھی چند باتیں ہیں جن سے میں بہت متاثر ہوں، ان ہی امور کا تذکرہ یہاں مقصود ہے۔

(ا) وہ دار العلوم اشرفیہ میں نائب شیخ الحدیث تھے، صدارت حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی تھی لیکن تعلیمی نظم ونسق زیادہ تر حضرت حافظ جی [۱] علیہ الرحمۃ سے ہی متعلق تھا اس خصوص میں ان کا کمال یہ تھا کہ طلبہ کے معاملات تو فیصل کرتے ہی تھے مگر مدرسین کے درمیان بھی کوئی اختلاف، شکر رنجی اور بدمزگی نہ پیدا ہونے دیتے جہاں چند ہم پایہ اساتذہ ہوں کچھ باہمی اختلاف ورنجش بعید نہیں لیکن کم از کم اتنا میں پورے دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ حافظ عبد الرؤف صاحب علیہ الرحمۃ کی حیات تک اساتذہ کا کوئی اختلاف طلبہ کی نظروں تک نہ آسکا------اور گروپ بندی کا تو کسی طالب علم کو وہم

(ا) اُس وقت طلبہ، مدرسین اور اہل مبارک پور میں اسی لقب سے وہ معروف تھے۔ ۱۲ مصباحی

https://alislami.net

وگمان بھی نہیں ہوسکتا تھا،۱۹۶۹ء میں حافظ ملت کے مشروط استعفاء کے بعد ایک اختلاف کھل کر سامنے آیا لیکن یہ تعطیلات کے زمانہ میں ہوا اگرچہ آراء کا یہ تعارض مشتہر ہوگیا لیکن استعفا کی نامنظوری اور حافظ ملت کی واپسی کے بعد سارے معاملات اپنی رَوِش پر آگئے---- اور ۱۹۷۱ء تک اساتذہ میں رواداری، عالی ظرفی، صلح وآشتی، مفاد ادارہ کے لیے ذاتی جذبات وخواہشات کی قربانی، باہمی شکوہ وشکایات اور نمایاں اختلاف اور غیظ وغضب سے کنارہ کشی کی روایات پوری طرح برقرار رہیں، لیکن حافظ جی علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد خود حافظ ملت کی نگاہوں تک ایسے معاملات آئے جو عالی ظرفی، رواداری اور مفاد ادارہ سے ہمدردی کے نقطۂ نظر سے طلبہ کے سامنے بھی نہ آنا چاہیے تھے کیوں کہ ہر سطحی اور پستی فکر وعمل کا ان کے ذہن پر بھی اثر پڑتا ہے جو ان کے مستقبل کے لیے خطرناک اور مضر ہوتا ہے۔

جن مدارس میں اساتذہ کے درمیان اتفاق واتحاد ہو وہاں طلبہ کے اندر سبھی اساتذہ کا ادب واحترام نظر آئے گا۔ اصول وضوابط کی پابندی، کردار وعمل کی درستی زیادہ ہوگی، لیکن جہاں اساتذہ میں عداوت واختلاف برپا ہو وہاں طلبہ کی آوارگی، قانون شکنی، اعلیٰ کردار وعمل سے دوری، تعلیم وتعلم سے بیزاری، اساتذہ کی گستاخی وبے ادبی، بلکہ ان کے درمیان مزید اشتعال انگیزی اور خود طلبہ کی گروپ بندی وغیرہ کے مناظر آسانی سے دیکھے جاسکتے ہیں یہ نکتہ کوئی ایسا باریک نہیں جس سے کسی ادارہ کے اساتذہ بے خبر ہوں۔ لیکن طلبہ، ادارہ اور تعلیم کی خاطر اپنے شعلہ زن جذبات کو برف آلود کرنا بڑا زہرہ گداز عمل ہے۔ اپنی تسکینِ انا کے لیے ہر وسیع تر مفاد قربان ہوسکتا ہے لیکن قومی مستقبل کی تعمیر کے لے اپنے مفاد کو قربان نہیں کیا جاسکتا۔ حافظ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمۃ اس خطرناک فکر وعمل سے زندگی بھر نبرد آزما رہے اور انھوں نے اپنی بے پناہ صلاحیت ومقبولیت کے اثر سے اپنے رفقا اور متعلقہ کو ہمیشہ جادۂ مستقیم پر گامزن رکھا۔

(۲) وہ اپنے اصول کے بڑے پابند تھے درس ومطالعہ کی پابندی کے علاوہ اپنے

https://alislami.net

اوپر کچھ اور پابندیاں بھی انھوں نے لگا رکھی تھیں مثلاً یہ کہ بازار سے سودا خود خریدتے، غلہ، سبزی، ترکاری کا تھیلا خود اپنے کاندھے پر گھر تک لے جاتے اس زمانہ کے بعض طلبہ کا بیان ہے کہ ہم نے حضرت کو غلے کا تھیلا لے کر جاتے دیکھ اور ہر چند کوشش کی کہ ہمارے حوالہ کر دیں مگر کامیابی نہ ہوئی ان کا یہ عمل صرف ماہ، دو ماہ، یا سال، دو سال پر مشتمل نہ تھا، بلکہ مبارک پور میں ان کی ساری زندگی اسی شکل میں دیکھی گئی۔

(۳) وہ اپنے اساتذہ کے ادب شناس اور فرماں بردار تھے خصوصاً حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے ساتھ ان کی خیر خواہی، اخلاص و ہمدردی اور وفاداری اپنی مثال آپ ہے۔ حافظ ملت علیہ الرحمۃ جب مبارک پور چھوڑ کر ناگ پور تشریف لے گئے تو تعلیم کے لیے حافظ جی علیہ الرحمۃ بھی وہیں پہنچ۔ حافظ ملت نے جب اشرفیہ کو وسیع پیمانہ پر لے جانا چاہا اور مشکلات حائل دیکھ کر بجائے مبارک پور کے کسی دوسرے شہر کا انتخاب کیا تو حافظ جی علیہ الرحمۃ نے حافظ ملت اور اشرفیہ دونوں کی ہمدردی کا حق ادا کر دیا۔ اپنے جملہ رفقا کو ہم خیال بنا کر ایسی سرگرم کوششیں کیں جن کے نتیجے میں حافظ ملت کو کہیں اور جانے کا خیال ترک کرنا پڑا اور مبارک پور ہی کی سرزمین آج حافظ ملت کے اس عظیم ادارہ کی امین بن کر سرفراز ہے۔

(۴) وہ اپنے احباب و رفقا کے معاون و مددگار بھی تھے علمی مسائل اور درسی اشکالات کے حل میں وہ اشرفیہ کے اساتذہ اور دیگر بلند پایہ علما کی دست گیری میں ضرب المثل تھے۔ فتاویٰ کے سلسلے میں حضرت مفتی عبد المنان صاحب قبلہ کی موجودگی میں بے تکلف ان سے رجوع کرتے اور وہ ہمیشہ بڑی خندہ پیشانی سے ان کی رہنمائی فرماتے اس سے جہاں ان کی وسعتِ نظر اور ان کا علمی استحضار عیاں ہوتا ہے وہیں ان کی نفع رسانی کا جذبہ، ان کی فراخ دلی اور ان پر اکابر علما کا اعتماد بھی واضح ہوتا ہے۔ فتاویٰ کے سلسلے میں یوں بھی ان کو ہمیشہ تیار رہنا ضروری تھا کیوں کہ فتاویٰ پر ان کی تصدیق بالعموم ضروری تھی۔

(۵) سنی دار الاشاعت کا قیام، اور فتاویٰ رضویہ کی اشاعت ان کا عظیم کارنامہ ہے

https://alislami.net

اس پر متعدّد جہتوں سے اور تفصیلا سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

(الف)ایک کتاب جو مطبوعہ ہے عکس لے کر بعینہ اسے شائع کردینا کسی خاص علمی صلاحیت کا محتاج نہیں ،تھوڑا پڑھا لکھا آدمی بھی اسے کر سکتا ہے۔ بقدر ضرورت سرمایہ ہونا چاہیے پھر کتاب ایسی ہے جو مارکیٹ میں خوب چلی ہوئی ہے اور مانگ زیادہ ہے تو سرمایہ لگانا بھی آسان ہے۔

(ب)لیکن کوئی کتاب جو مسودہ کی شکل میں ہے اسے کتابت کرا کے شائع کرنے میں کم از کم کتابت کی تصحیح اور مسودہ سے مطابقت کا کام علمی صلاحیت اور تجربہ کا طالب ہے مسودہ بالکل صاف ستھرا اور اطمینان بخش ہے تو تصحیح کا تھوڑا تجربہ بھی کفایت کر سکتا ہے۔

(ج)لیکن مسودہ پرانا اور ناصاف ہو تو اس کی عبارتوں اور معانی و مطالب سمجھ کی لیاقت بھی چاہیے جس کی مدد سے ناصاف عبارتوں کی تصحیح و تعیین ہو سکے۔

اب تصحیح کی لیاقت کا معیار مسودہ کے مندرجات کے معیار سے جانچا جائے گا۔

مسودہ اگر افسانوں اور اختراعی قصوں پر مشتمل ہے تو صرف زبان و ادب میں کمال کارِ تصحیح کے لیے کافی ہے۔

(د)مسودہ اگر سیرت و تاریخ سے تعلق رکھتا ہے تو اس فن سے تعلق ہونا ضروری ہے لیکن مندرجات عام متداول کتابوں سے صرف اخذ و اقتباس کی شکل میں ہیں تو کام آسان ہے ورنہ اس میں دشواریوں کا دائرہ بڑھتا جائے گا۔

(ہ)مسودہ کسی ایسے عالم کا ہے جس سے زیادہ صلاحیت خود مصحح کے پاس ہے اور اسے حذف و اضافہ اور اصلاح کا حق بھی حاصل ہوا ہے تو بھی اس کے لیے کچھ آسانی ہے،بلکہ مصنف پر خاص مہربانی بھی کیوں کہ جا بجا تصحیح کار کے علم و صلاحیت سے کتاب میں حسن و کمال پیدا ہو گا۔مگر قاری سب کچھ مصنف ہی کی کاوش سمجھ گا اور اگر مصحح کی محنت کا کچھ تصور بھی کرے گا تو مبہم طور پر،کیوں کہ بعد تصحیح کتابت وطباعت وغیرہ سے

https://alislami.net

گزرکتاب جب منظرعام پرآتی ہے تو ایسا کوئی نمایاں نشان شاید ہی کسی کتاب میں رہتا ہو جس سے اصل مسودہ اور اصلاح و ترمیم میں فرق کیا جاسکے۔

(و) مسودہ کسی بلند پایہ جامع علوم وفنون شخصیت کا ہے جس کی نگارشات میں متعدّد فنون کی مہارت کار فرما ہے تو ایسے ناصاف مسودہ کو تبییض و تنقیح اور کتابت و تصحیح وغیرہ سے گزار کر شائع کرنا بڑا مشکل کام ہے۔

(ز) یہاں بھی اگر مزاج سہل پسند ہے تو یہ ہوگا کہ جو آسانی سے سمجھ میں آیا بنادیا ورنہ جیسا تیسا چھوڑ کر کام آگے بڑھایا۔ اشاعت کے بعد قارئین سر مغزی کرتے رہیں کہ کیا ہے، کیا ہونا چاہیے؟

(ح) لیکن محتاط اور جفاکش انسان سخت سے سخت راہ طے کرنے کی سعی بلیغ کرتا ہے۔ جس میں بعض اوقات اسے اپنی کسی تصنیف سے زیادہ اس بلند پایہ شخصیت کے مخطوطہ کی تصحیح میں محنت و صلاحیت صرف کرنی پڑتی ہے۔

(ط) مسودہ دینی عقائد و احکام، نصوص قرآن و حدیث، عبارات ائمہ و علما پر مشتمل ہے تو یہ بھی لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ ذرا سی غفلت و سستی سے جائز کا ناجائز، ناجائز کا جائز نہ بن جائے اور نصوص کی عبارتوں میں خطا نہ واقع ہو۔

(ی) خود مصنف کی عبارت میں بھی فرق نہ آنے پائے کہ اس کی تحریر بجائے خود ایک سند ہے۔ ذرا بھی تبدیلی ہوگئی تو بہت ممکن ہے جو گہرائی و گیرائی ان الفاظ میں پنہاں تھی وہ رخصت ہوجائے اور کسی قاعدہ یا جزئیہ سے تعارض بھی نمودار ہوجائے یا کسی اعتراض و ایراد کی گنجائش نکل آئے جب کہ مصنف کے اصل الفاظ میں تعارض و اعتراض کی گنجائش نہ تھی بلکہ اسی تعارض و ایراد سے بچنے کے لیے اس نے ایک مخصوص تعبیر اور کچھ خاص الفاظ اختیار کیے تھے۔

امام احمد رضا قدس سرہ کی جامع فنون شخصیت، فتاویٰ رضویہ کی علمی حیثیت اور مسودہ کی سقیم حالت کو سامنے رکھ کر اس کی تصحیح و تبییض اور کتابت و طباعت میں صرف

https://alislami.net

ہونے والی محنت وصلاحیت کا اندازہ کیجیے پھر جس زمانے میں کام کی ابتدا ہوئی ایسی علمی کتاب کی اشاعت سے متعلق حالات مایوس کن تھے اسی لیے سنی دارالاشاعت کی تاسیس اور طباعت واشاعت کے حوصلہ مندانہ اقدام کی بھی داد دیجیے۔ مسودہ کی حالت اور اس کی تصحیح میں احتیاط سے متعلق مولانا حافظ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمۃ کا بیان پڑھیے۔ وہ رقم طراز ہیں:

"مسودہ مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم کے پاس بریلی تھا اس کے مبیضہ کے لیے مولانا مجیب الاسلام صاحب نسیم اعظمی کی خدمات حاصل کی گئیں۔ جس طرح فتاویٰ رجسٹروں کا حال ہوتا ہے کہ ریکارڈ کے دفتر میں سوال وجواب دونوں درج کر لیے جاتے ہیں اور اصل سائل کو بھیجنا دی جاتی ہے وہ ہی فتاویٰ رضویہ کا بھی حال تھا کہ مسائل مبوب اور مفصل نہ تھے پھر یہ بھی نہیں کہ نقل ہو..... جو دفعہ تیار ہوئی تھی بلکہ نقل در نقل ہوتے ہوتے موجودہ رجسٹر....... ہم مولانا موصوف کے بڑے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے بڑی عرق ریزی سے اس کتاب کو اپنی بساط بھر مبوب ومفصل کر کے مبیضہ کیا.................. بعض اوراق کیڑوں نے بری طرح چاٹ لیا تھا۔ ان میں جہاں جہاں اور کتابوں کی عبارت سے تصحیح ممکن تھی کر دی گئی، جہاں تک ماسبق اور مالحق سے عبارت بن سکتی تھی بنا دی گئی اور جہاں مجبوری تھی بیاض چھوڑ دی گئی ہے"(۱)

مبیضہ کا اصل سے مقابلہ---- پھر مبیضہ سے کاپی کی تصحیح --- بعدہٗ پروف کی مطابقت میں پوری عرق ریزی اور نہایت احتیاط سے کام لیا گیا ہے--- مزید براں جہاں عربی عبارتیں نقل کی گئی ہیں، ان کی تصحیح متعلقہ کتابوں سے حتی الامکان کر لی گئی ہے---الغرض نقطہ نقطہ، شوشہ شوشہ، کی سحت کا خاص خیال رکھا گیا ہے اور بھرپور کوشش کی گئی ہے کہ کتاب صحیح اور مسودہ کے عین مطابق شائع ہوا لخ"(۲)

---

(۱) ابن ماجہ
(۲) تفصیلی چارٹ عرض حال کے بعد درج ہے

https://alislami.net

غور فرمائیے! فتاویٰ رضویہ میں حوالوں کی کمی نہیں۔ ہر عبارت کو اصل ماخذ سے ملانا کتنا مشکل کام ہے، ماخذ کی جلد اور صفحہ یا باب و فصل کی نشان دہی کتاب میں موجود ہو جب بھی ہر ہر عبارت کی متعلقہ کتابوں سے مطابقت کرنا بڑا طویل اور دشوار گزار عمل ہے --- لیکن ناظرین کو معلوم ہو گا کہ بالعموم فتاویٰ رضویہ میں باب و فصل یا جلد و صفحہ کی نشان دہی نہیں۔ اب مسئلہ کی عبارت ٹھیک متوقع محل میں مل گئی تو خیر، ورنہ نہ معلوم کتنے مقامات پر تلاش کرنا پڑے، اور کتنی مدت صرف ہو جائے، کوئی نہیں جانتا............. حدیث میں الفاظ حدیث تلاش کرنا، کتب فقہ میں فقہی عبارتوں کی بہ نسبت عمومی طور........... ہی مشکل ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں احادیث بھی ہیں، فقہی عبارات بھی تاریخ و سیر کے اقتباسات بھی، اور دوسرے فنون کی کتابوں کے مندرجات بھی --- ان سب کو اصل ماخذ سے تلاش کر کے نکالنا اور مطابقت کرنا بڑا صبر آزما کام ہے۔

پھر مسودہ وہ نہیں، جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہو بلکہ کہیں ان کی تحریری ہے کہیں کسی ناقل کی، کیوں کہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ استفتا کسی کاغذ پر آیا اس پر مفتی نے خود جواب لکھا یا کسی سے لکھوا کر نظر ثانی کی یا پڑھوا کر سن لیا اور دستخط کر دیا۔ پھر کسی ناقل نے فتاویٰ کے رجسٹر میں اسے نقل کر دیا۔ ناقل نے اپنی نقل پر نظر ثانی کر لی تو اس کی مہربانی ورنہ کوئی بات نہیں --- اور نظر ثانی اگر برق رفتاری سے ہوئی تو چھوٹے ہوئے کسی لفظ و حرف کا گرفت میں آنا مشکل ہی ہے --- ماہرین فقل و تصحیح کا معاملہ الگ ہے۔

میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ فتاویٰ رضویہ میں جو فتاویٰ نقل ہوئے ان پر نظر ثانی نہیں ہوئی، یا ناقلین تغافل کیش تھے یا مہارت و صلاحیت سے خالی تھے کیوں کہ جس عمل کی تفصیلا حالت کی تحقیقانہ ہو اس کے بارے میں حتمی طور پر نفیًا یا اثباتًا کوئی دعویٰ کر دینا یقینًا دانش مندی سے بعید امر ہے --- لیکن حافظ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمۃ کا بیان یہ ہے

کہ جو نقل خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے زمانے میں تیار ہوئی تھی بعینہ وہی دست یاب نہ ہوئی۔اس کی نقل ملی، بعینہ وہ بھی نہیں،جو ملی وہ بھی کرم خوردہ،ناصاف حالت میں،اب اس قسم کے مسودہ کی تحقیق و تصحیح جتنی مشکل ہے اسے وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنھیں کام سے پالا پڑا ہو۔

امام احمد رضا قدس سرہ کے حاشیۂ شامی کی نقل کو اعلیٰ حضرت کے اصل قلمی نسخہ سے مقابلہ کا کام جب راقم الحروف اور مولانا عبد المبین نعمانی انجام دے رہے تھے تو بہت سے مقامات پر بڑی زحمتوں کا سامنا کرنا پڑا۔خصوصاً جلد ثانی کا مقابلہ بہت دشوار ہوا جس میں راقم کے ساتھ مولانا نصر اللہ بھیروی تھے۔کثرت استعمال سے بہت سے حواشی کی کچھ عبارتیں محو ہو گئی ہیں---اور کچھ تعیین نہ ہو سکی کہ یہاں کیا عبارت لائی جا سکتی ہے۔

جب کہ ہمارے کام میں اصل مراجع سے مطابقت کا التزام نہیں تھا۔جہاں اصل حوالوں کو دیکھنے کی خاص ضرورت محسوس ہوئی وہیں مراجعت کی گئی پھر بھی اس میں سخت محنت و دشواری سے گزرنا پڑا"مقامع الحدید علیٰ خد المنطق الجدید"کا مبیضہ بہت صاف تھا مگر نقل در نقل کی وجہ سے متعدّد مقامات پر اصل مراجع کی جانب رجوع کرنا پڑا اور کافی وقت و محنت صرف کرنے کے بعد میں اسے خاطر خواہ تبییض و کتابت کے مراحل سے گزار کر منظر عام لا سکا پھر بھی ایک دو غلطیاں رہ گئیں۔

فتاویٰ رضویہ کی ضخیم جلدوں میں حوالوں کی جو کثرت ہے محتاج بیان نہیں۔ان تمام حوالوں کو اصل کتابوں سے ملانا کتنا صبر آزما اور طویل عمل ہے۔کوئی صرف دس بیس صفحات کر کے اندازہ لگا سکتا ہے۔اس کے پیش نظر استاذ محترم علامہ حافظ عبد الرؤف صاحب علیہ الرحمۃ کی ہمتِ مردانہ،کاوش مجاہدانہ، اور احتیاط بلندکی داد دیے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔انھوں نے فتاویٰ رضویہ کو ایڈٹ کرنے کے سلسلے میں جو سعی بلیغ فرمائی ہے راقم الحروف سے خود ایک بار اس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

https://alislami.net

"اتنی محنت کے بعد اتنی ضخیم کتاب خود لکھی جاسکتی تھی۔ یہ حقیقت ہے میں فخریہ نہیں کہتا"۔

خود مجھے جب اس قسم کے کاموں سے سابقہ پڑا تو حضرت کا یہ مقولہ حرف بحرف درست نظر آیا اور میری تفصیلات سے قارئین خود بھی اندازہ کرسکتے ہیں۔

جلد سوم اور جلد چہارم کی اشاعت خود ان کی حیات میں ہوگئی۔ جلد پنجم کے کئی سو صفحات کی کتابت بھی انھوں نے کرائی، جلد ششم، ہفتم، ہشتم کے مسودات پر نظر ثانی اور تبییض کا انتظام بھی انھوں نے کیا۔ مزید جو رسائل، مضامین وابواب کے لحاظ سے ان جلدوں میں شامل ہونا چاہیے ان کو بھی یادداشتوں میں لکھ دیا۔

طریق کار یہ تھا کہ ایک بار پوری ایک جلد کا مسودہ خود پڑھتے ناصاف عبارتوں کو حاشیہ میں پنسل یا قلم سے صاف لکھ دیتے۔ اصل حوالوں کی مراجعت کرتے پھر جو مبیضہ ہوتا اس کا اصل سے مقابلہ کرتے پھر کتابت کا مبیضہ سے مقابلہ کرتے اور کتابت کی تصحیح کرکے کاتب کو واپس کرتے۔ کاتب اپنا نہ تھا بلکہ پریس کا تھا۔ پروف کی تصحیح میں کاتبوں کا حال معلوم ہے کہ بہت کچھ بناتے ہیں اور کچھ چھوڑ بھی دیتے ہیں یہ سانحہ فتاویٰ رضویہ کے ساتھ بھی ہوا وجہ ہے کہ صدر الشریعہ حضرت علامہ الحاج مبین الدین صاحب امروہوی سابق شیخ الحدیث دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف نے اپنے جامعہ نعیمیہ مرادآباد کے زمانۂ تدریس میں جلد سوم کے مطبوعہ نسخہ پر نظر ثانی فرمائی تو کئی صفحات کا صحت نامہ تیار ہوگیا۔۔۔۔۔حافظ عبدالرؤف صاحب کا معاملہ لکھنا کے پریس سے تھا اور کاتب وہیں رہتا۔ اگر ان کا اپنا کاتب رہتا اور پروف کو دوسری تیسری بار دیکھنے کا موقع ملتا تو یقیناً اتنے لمبے صحت نامہ کی گنجائش نہ نکل پاتی۔

انھوں نے جو طویل مجاہدہ کیا اس میں ان کا کوئی مستقر معاون نہ تھا تبییض کا کام مفتی مجیب الاسلام صاحب نسیم اعظمی اور مولانا سبحان اللہ امجدی بنارسی کے ذریعہ ہوتا باقی کام خود کرتے۔ مقابلہ کے لیے طلبہ میں سے چند ذی استعداد ہی افراد کو باری باری ساتھ

کر لیتے اساتذہ یا علما میں سے کسی کا اس سلسلے میں مستقر یا طویل تعاون نہ تھا اگر چہ ممکن ہے کہ چند گھنٹے کسی کسی زمانے میں کسی نے ساتھ دیا ہو لیکن ایک گراں بار اور طویل عمل میں چند گھنٹے یا چند ایام کی رفاقت کا اگر کچھ اعتبار ہے تو اس میں ان طلبہ کا حصہ بہت زیادہ ہے جو اکثر و بیشتر بلکہ بحیثیت مجموعی ہمیشہ شریک کار ہوتے اور ان کے شاہدوں کی کمی نہیں اس زمانہ میں جو طلبہ دار العلوم میں زیر تعلیم اور مقیم تھے سبھی اس کا مشاہدہ کرتے۔

یہ سارا کام غیر درسی اوقات میں ہوتا۔ حافظ جی علیہ الرحمۃ درس و مطالعہ کی بری سختی سے پابندی کرتے اور اوقات تعلیم میں کوئی خارجی کام قطعًا روانہ رکھتے اگر چہ وہ ادارہ اور جماعت کے لیے کوئی بڑا اور اہم کام کیوں نہ ہو لیکن تعلیمی نقصان مقدار تعلیم کی کمی، طلبہ و ادارہ کے بنیادی مقصود اور اپنے فرائض سے بے توجہی انھیں کسی طرح گوارا نہ تھی۔ اس زمانہ میں دیگر مدرسین بھی اسی روش پر کاربند تھے۔

فتاویٰ رضویہ کے سلسلے میں ان کی علمی کاوشوں کا جو سب سے زیادہ گراں قدر اور تابناک گوشہ ہے اس پر کم لوگوں کی نظر جاتی ہے لیکن میرے نزدیک سارے کام کی جان اور سب سے بیش بہا جوہر وہی ہے۔ اسے میں ذرا تفصیلا سے عرض کرنے کی جسارت کروں گا۔

وہ اہل نظر جن کا کسی مخطوطہ کی تحقیقا سے سابقہ پڑ چکا ہو یا ایسے ماحول کے پروردہ ہوں جہاں ایڈٹ کا کام ہوتا ہے اور اسے خاطر خواہ اہمیت دی جاتی ہے تو وہ بہر حال مذکورہ کام کی قدر و منزلت کا اندازہ کر سکتے ہیں اور اسے قرار واقعی درجہ دے سکتے ہیں لیکن ایسے افراد کو شاید انگلیوں پر گننے کی بھی ضرورت نہ پڑے خصوصًا اس زمانہ میں جب استاذِ محترم یہ کام انجام دے رہے تھے۔

عوام تو عوان اکثر خواص اور علما کا یہ حال ہے کہ ناول سائز کے سو پچاس صفحات پر مشتمل کوئی کتاب اگر کسی نے لکھ دی اور وہ دوسرے کی اصلاح و نظر ثانی اور محنت و کوشش کے بعد شائع ہوئی۔ جب بھی اسے لکھنا والے کا ایک کارنامہ شمار کرتے ہیں

اوراصلاح والے کوتوقطعاًکسی خانہ میں نہیں رکھتے۔ اسی طرح مصنف کے پانچ چھ سوصفحات کامسودہ اگرکسی نے نئے انداز سے عنوانات،فہرست،پیراگراف کی تبدیلی عبارتی نشانات وغیرہ سے آراستہ کرکے شائع کیاتویہ بھی کسی خانہ میں شمارنہیں ہوتا،کام صرف مصنف ہی کاشمار ہوتاہے۔ مزید براں کسی بڑے مصنف کے مخطوطہ کو تحقیقاو تفتیش کے ساتھ منظرعام پرلابھی کوئی زیادہ وقعت نہیں رکھتااورایڈٹ کرنے والے نے اپنے حزم واحتیاط،بلندپایہ ذوق تحقیقاکے تحت مصنف کے دیے ہوئے حوالوں اورعبارتوں کی اصل سے مراجعت بھی کرڈالی تویہ قطعاً مذکورہ حضرات کے لیے کوئی محسوس ہونے والی چیز ہی نہیں۔ اس لیے اسے کچھ شمارکرنے کاکوئی سوالہ ہی نہیں پیداہوتا۔

اس ماحول میں ہم دیکھتے ہیں کہ علمی قابلیت اورقلمی صلاحیت رکھنے والے حضرات خودکوئی کتاب لکھنااوراسے کتابت،تصحیح،طباعت اشاعت،ترسیل ومراسلت وغیرہ کے تمام مراحل سے گزارناتوگوارا کرلیتے ہیں لیکن اپنے اکابر میں سے کسی بلندپایہ شخصیت کے مخطوطات پردماغ سوزی اورجانفشانی انھیں قطعاً گوارانہیں ---کیوں کہ وہ جس ماحول میں رہتے ہیں اس طرح کاکام بالعموم صفرسے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔اُن میں بعض حضرات کے پیش نظریہ خیال بھی ہوگاکہ جن موضوعات پرلکھاجاچکاہے اورجوکام مسودہ کی حد تک ہوچکاہے وہ کبھی بھی اورکسی کے ذریعہ بھی منظرعام پرآسکتاہے۔لیکن جوشعبے اب تک تشنۂ تحریرہیں انھیں نظرانداز نہیں کیاجاسکتااوراگلی نسل سے زیادہ توقع نہیں کہ وہ خاطرخواہ ان موضوعات سے عہدہ برآہوسکے اس لیے خود کچھ لکھ کرجاناچاہیے۔

لیکن کیاسارے اہل قلم ایسے ہی ہیں اورسارے ارباب صلاحیت کے اندریہی جذبہ کارفرماہے؟نہیں بلکہ اکثرمیں یہی ذوق ملے گاکہ اپنی بقاکے لے اپنی تحریرمنظرعام پرلاناہی ضروری ہے۔مجھے اس ذوق کی تحقیقاقطعاًمقصودنہیں۔یقیناًاہل علم اوراہل دین

https://alislami.net

کے لیے ہر علمی ودینی کام خواہ وہ کسی کے قلم سے ہو نفع بخش اور جماعتی وقار کا ذریعہ ہے جس پر توجہ اور محنت کی ضرورت سے انکار یقیناً سفاہت وجہالت کے دائرہ میں شمار ہوگا۔ ساتھ ہی ایک قابل قدر کام کی ناقدری اور کام کرنے والوں کی ہمت شکنی کا بھی حامل ہوگا۔

مجھے صرف یہ واضح کرنا ہے کہ اپنی تصنیف اور اس کی اشاعت میں مصنف کے لیے بہت سے حوصلہ افزا جذبات مہمیز کا کام کرتے ہیں لیکن کسی قدیم تصنیف پر اپنی تصنیف کے برابر کم وبیش محنت صرف کرکے اسے شائع کرنے میں قطعًا اس قسم کے جذبات کی ہم نوائی نہیں ہوتی جس کے باعث وہ بڑا ہی صبر آزما، ہمت شکن اور جان سوز کام بن جاتا ہے جو کسی ایسی ہی بلند خیال، عزیمت کیش اور پر عزم شخصیت کے خانۂ اعمال میں شامل ہوسکتا ہے، جسے اخلاص وبے نفسی، دینی امنگ، سرمایۂ علمی سے محبت، اکابر سے عقیدت، جماعت سے ہم دردی، اپنی ناموری اور عزوشہرت کے نفع بخش اور ہمت افزا تصورات سے کنارہ کشی کا وافر حصہ قدرت نے ارزانی کیا ہو۔

میرا جہاں تک اندازہ اور مشاہدہ ہے وہ یہی کہ استاذ محترم نے جس زمانے میں کام کیا ہے، ماحول کماحقہ، قدر شناسی کا نہ تھا اور ان کی جو کچھ پذیرائی ہوئی وہ ان کی محنتوں کے تناسب سے نہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ عرصۂ دراز سے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی قلمی کتابیں منظر عام پر آنا بند تھیں۔ ایک قلمی کتاب جو بہت ساری چھوٹی چھوٹی کتابوں پر بھاری ہے فتاویٰ رضویہ اسے مولانا حافظ عبدالرؤف صاحب قبلہ نے شائع کردیا مگر اشاعت کی دشواری اور اس طویل سفر کی سرگزشت اس کے خارزار مراحل کیا ہیں اور کس طرح سر ہوئے۔ اس کا صحیح اندازہ کرنے اور اس پر ناشر کو مبارک باد دینے والوں کی تعداد پورے برصغیر میں سو بلکہ پچاس افراد تک بھی نہ رہی ہوگی۔

انتہا یہ ہے کہ ان کے قریبی رفقا کو بھی اس راہ میں شب وروز کی مشقتوں محنتوں اور قربانیوں کا کوئی تجربہ اور صحیح اندازہ نہ تھا، بحر العلوم حضرت مفتی عبدالمنان صاحب

https://alislami.net

اعظمی کے یہ الفاظ چشم بصیرت سے پڑھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہیں:

"مولانا عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمۃ اکیلے ہی سب کام کر لیا کرتے تھے۔اس لیے ہم لوگوں کو کچھ احساس نہیں ہوتا تھا لیکن اب جبکہ کام سے سابقہ پڑا تو معلوم ہوا کہ کام کتنا مشکل اور زہرہ گداز ہے"۔

جس دور میں متبحر قسم کے ارباب فضل وکمال کو کسی عظیم مخطوطہ کی تحقیقا واشاعت کی راہ میں پیش آنے والی دشواریوں اور جاں گداز مراحل کا اندازہ نہ ہو اس وقت کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ عام اہل علم کی طرف سے کماحقہ کوئی پذیرائی اور حوصلہ افزائی ہوئی ہو، پذیرائی اور ہمت افزائی اسی وقت بروئے کار آسکتی ہے جب اس کے پیچھے قدر آشنائی اور عمل شناسی موجود ہو۔

الحاصل ان حالات میں حضرت استاذ کے طویل مجاہدہ کی قدر وقیمت بہت بڑھ جاتی ہے۔اب بلاشبہ ماحول بدل چکا ہے اور علوم وفن، تجربہ وعمل کی ترقی کے ساتھ قدرداں اور قدردانیوں میں بھی ترقی آئی ہے اس لحاظ سے تمام تر دشواریوں کے باوجود جو مردانِ کار کی تسلی وہمت افزائی کے لیے بفضلہٖ تعالیٰ بہت کچھ سامان پذیرائی فراہم ہو چکا ہے ہمت کر کے اس قسم کے مشقت خیز کاموں کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔

فتاویٰ رضویہ کے سلسلے میں اب تک جو کچھ بیان ہوا وہ اس میں صرف ہونے والی علمی صلاحیت اور صلہ وستائش سے دور رہ کر مخلص نہ سعی ومحنت کا جائزہ ہے لیکن حضرت کی بے نفسی اور جاں فشانی کا یہ صرف ایک رخ ہے۔انہماک ودل سوزی کا ایک رخ اور رہے، جو بڑا ہی دردانگیز اور عبرت خیز ہے۔

کسی محققین طبع اور بلند حوصلہ وفاضل کے لیے کسی علمی وتحقیقا کام میں ایک روحانی سرور اور علمی جوش وولولہ کارفرما ہوتا ہے جو اس سے بڑی سے بڑی تحقیقات کرا لیتا ہے ایسی تفتیش وجستجو بھی جسے آنے والی دنیا نہ جان سکے نہ اس پر کوئی داد دے سکے لیکن محققین کا ذوق تحقیقا ہوتا ہے، جو ساری محنتیں ں سے اسے مردانہ وار گزار دیتا ہے---لیکن کسی

https://alislami.net

بلند رتبہ عالم کے لیے ایسا کوئی کام سرانجام دینا بڑا مشکل ہوتا ہے جس میں کسی علمی سرور اور ذہنی تسکین کا سامان بھی نہ ملتا ہو مثلاً کتابت کے لیے کاتبوں سے معاملہ کرنا، اُجرتوں کی تعیین، کتاب کے تقاضوں اور لین دین کے مراحل سے گزرنا، پریس جانا، کاغذ خریدنا، پریس پہنچنا، کتاب چھپ گئی تو پارسل بنوانا، حمل ونقل کے ذرائع سے معاملہ کرنا، اپنے شہر میں لانا، مستقر تک ڈھونا یا پہنچوانا، پھر کتاب کی نکاسی اور دوسری کتاب کی تیاری کے لیے خریداروں کو مطلع کرنا، اشتہارات نکالنا، آرڈر آ گئے تو پارسل بنانا، بل تیار کرنا، پتے درج کرنا، اِرسال کرنا، منی آرڈر وصول کرنا، بقایا رقوم کے لیے تقاضے کے خطوط لکھنا، حسابات درج کرنا، یہ سب ایسے مراحل ہیں، جن سے نفس علم وتجربہ میں تو اضافہ ضرور ہوتا ہے لیکن عموماً ان سب کا کسی علمی کام کے خانہ میں نہ شمار ہوتا ہے نہ دماغ سوز محققین کو ان سے کوئی علمی سرور حاصل ہوتا ہے بلکہ یہ ان کے لیے اور ان کے کاز کے لیے بسا اوقات مضر ہوتا ہے، اس لیے اس سے پریشاں خاطری اور بعض لوگوں کے اندر چڑچڑا پن بھی پیدا ہوجاتا ہے اور جو اوقات اس میں صرف ہوتے ہیں وہ علمی کام میں صرف ہوں اور اسے دوسرے لوگ انجام دیں تو یہ عالم ومحققین کی صلاحیتوں کا مناسب اور بہتر استعمال ہوگا اور جو تحقیقی کاموں کی استعداد نہیں رکھتے مگر معاملات میں ہوشیار وتجربہ کار ہیں ان کا بھی ایک دینی علمی تبلیغی شعبہ سے قریب اور مناسب مصرف نکل آئے گا اور وہ اگر حسنِ نیت سے اس کاز کو آگے بڑھائیں تو اجر عظیم کے مستحق بھی ہوں گے۔

اب آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی اور درد والم بھی کہ مولانا حافظ عبد الرؤف صاحب علیہ الرحمۃ نے فتاویٰ رضویہ کے ساتھ صرف علمی وتحقیقی محنتیں ہی نہیں صرف کی ہیں، بلکہ وہ سارے مراحل طے کیے ہیں جو ایک ماہر حساب کلرک، ایک ماہر معاملہ کار، (طباعت، ترسیل ومراسلت کرنے والے ذمہ دار) کو کرنا چاہیے تھا مگر سنی دار الاشاعت کے پاس اتنا سرمایہ نہ تھا کہ دو مستقر ملازموں کی گنجائش نکل پاتی نہ ہی اشرفیہ کی بھری

بزم میں کوئی ایسامونس وغم خوار، جواس قسم کی غیر علمی جاں فشانی اپنے ذمہ لے سکے۔ علمی کاموں کے لیے عذر یہ تھا کہ ان کے لیے جو صلاحیت ودیدہ وری درکار ہے اس کے لائق آپ ہی کی ذات گرامی ہے اور غیر علمی کاموں کے لیے یہ عذر کہ ہمیں نہ اس کا کوئی تجربہ ہے، نہ یہ کام ہماری شان والا کے لائق مگر جس نے کام کا بیڑا اٹھایا ہے اسے تو بہرحال ہر "ہفت خواں" سر کر کے ہی گزرنا ہے۔ استاذ گرامی مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ جلد پنجم کے ابتدائیہ میں رقم طراز ہیں:

"واقعہ یہی ہے کہ مولانا عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمۃ سنی دارالاشاعت کی اسکیم بنانے والے تنہا تھے۔ اس کے بعد چندہ وصول کرنے میں وہی پیش پیش، بریلی شریف سے فتاویٰ کا مسودہ وہی لائے۔ مبیضہ انھوں نے کرا دونوں کا مقابلہ حرف بحرف انھوں نے ہی کیا، پریس والوں سے معاملہ انھیں کا کام تھا، کاپی، پروف، فہرست وعنوان کی تیاری، بار بار لکھنا جانا، حتیٰ کہ کتاب بھی خود ہی لانا اور یہاں طالب علموں کے ساتھ مل کر بنڈل ڈھونا، کس کس بات کو یاد کیا جائے کتاب چھپ گئی تو لوگوں کو خطوط لکھنا، آرڈر بک کرانا، ان کے لیے پارسل سینا، اس کو بھیجنا، کون سا کام ہے جو تنہا مولانا نے نہ کیا ہو اور اس خاموشی اور بے نیازی سے کہ نہ صلے کی خواہش، نہ داد کی پروا"۔

یہی خاموشی وبے نیازی ان کے کام کی جان اور ان کی روحانیت کا اصل روپ ہے جسے دیکھ کر استاذ محترم علامہ عبدالرؤف بلیاوی علیہ الرحمۃ کے استاذ الاستاذ حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ کی وہ کاوشیں اور غیر علمی محنتیں یاد آتی ہیں جو انھوں نے مطبع اہل سنت بریلی شریف سے تصانیف امام احمد رضا اور دوسری علمیات کی اشاعت کے تعلق سے تدریس وافتا اور فیصلہ وقضا وغیرہ کی عظیم ذمہ داریوں کے ساتھ سرانجام دیں جن پر آج داد دینے والا بھی کوئی نظر نہیں آتا مگر بنائے زمانہ کے لیے جائے عبرت ہے کہ اشاعت دین کی راہ میں وسائل کی کمی، مخلص نہ تعاون کی قلت اور خالص علمی جدوجہد سے سرمایہ داروں کی بے خبری وبے توجہی کے باعث ایک بلند پایہ عالم بلکہ راس

العلما کو اپنے اونچے منصب سے بہت نیچے اتر کر بھی نہایت دل سوزی وجاں فشانی کے ساتھ بہت کچھ کرنا پڑتا ہے لیکن اخلاص وللّٰہیت کا جذبۂ فراواں اور خدمت دین کا سوز دروں ایک ایسا سررشتہ ہوتا ہے جو بلند وپست دونوں قسم کے کاموں کو رب قدیر وکریم کے حضور خاص اور قرب جاں نواز میں ایک ہی صف میں کھڑا کر دیتا ہے اور اس کی قدر داں، قدر افزا اور فضل فرما سرکار میں مخلص کی کوئی بھی محنت وکاوش رائیگاں نہیں جاتی۔ اللھم ارزقنا نصیبا منہ۔

سنی دارالاشاعت کی حیثیت

یہ تو متعین ہے کہ سنی دارالاشاعت کا قیام ایک قومی ادارہ کی حیثیت سے عمل میں آیا اس کے لیے ملک کے مختلف گوشوں سے باضابطہ عوامی چندہ فراہم کیا گیا۔ حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب مراد آبادی علیہ الرحمہ شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ نے جامع مسجد مبارک پور میں اس کی تاسیس اور ضرورت واہمیت کا ذکر فرماتے ہوئے چندہ کی اپیل کی اور دوسرے متعدّد مقامات پر اس کے لیے تعاون حاصل کیا گیا۔ چندہ کا کام عموماً وفد کی صورت میں ہوتا۔ جس میں حافظ ملت بھی شریک ہوتے اور اشرفیہ کے بعض اساتذہ بھی، مولانا عبد الرؤف علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

”طباعت کے سلسلے میں سب سے اہم اور بینادی سوال سرمایہ کا تھا اور عوام اہل سنت کی غربت کی وجہ سے نہایت مشکل بھی، اس لیے اراکین سنی دارالاشاعت کو بے حد جدوجہد کرنی پڑی اور یوپی، بہار، بنگال سبھی جگہ دورہ کرنا پڑا تب جا کر رقم فراہم ہوئی، بریلی میں محترم ساجد علی خاں صاحب، مولانا شریف الحق صاحب اور مولوی مجیب الاسلام صاحب جمشید پور میں علامہ ارشد القادری صاحب، ضلع گونڈہ میں تلسی پور، لوکھوا، بلرام پور، اوڑا جھار، علاقہ بھانبھر میں پچپڑوا، رام نگر، ناوڈیہ، بستی میں خلیل آباد، براؤں، امرڈوبھا، مہنداول، ضلع اعظم میں مبارک پور، خیر آباد، ابراہیم پور، محمد آباد، سگڑی، مئو، ادری، گھوسی وغیرہ مختلف دیار وامصار کے احباب اہل سنت نے ہر طرح مدد

کی جس کے لیے ہم سبھی احباب کے شکر گزار ہیں“۔ (۱)

اس تفصیلا کی روشنی میں یہ امر واضح ہے کہ سنی دارالاشاعت مولانا عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمۃ کا ذاتی ادارہ نہ تھا----بلکہ خود مولانا عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمۃ کی تحریروں سے یہ بھی واضح ہے کہ سنی دارالاشاعت دارالعلوم اشرفیہ ہی کا ایک شعبہ ہے۔

جنوری تا دسمبر ۱۹۵۹ء کی کارکردگی پر مشتمل دارالعلوم کی سالانہ روداد کے صفحہ ۴۱ پر یہ رپورٹ درج ہے:

سنی دارالاشاعت یہ مستقر شعبہ دارالعلوم کے حوصلہ مند مدرسین کی نگرانی میں قائم ہوا ہے۔اس کے لیے ابتدائی سرمایہ دس ہزار روپے طے کیا گیا ہے جس میں سات ہزار روپے بذریعہ چندہ فراہم ہو چکے ہیں ادارہ کی سب سے پہلی اشاعت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کی فتاویٰ رضویہ جلد ثالث (کتاب الصلوٰۃ) ہوگی اگر قوم نے ادارہ کی ہمت افزائی کی تو یہ مفید ادارہ اہل سنت کی بیش بہا تصانیف شائع کرتا رہے گا“۔

تیسری جلد چھپ کر منظر عام پر آئی تو دارالعلوم کی روداد میں یہ رپورٹ شائع ہوئی:

”دارالعلوم کے حوصلہ مند مدرسین کی نگرانی میں قائم ہونے والا یہ اہم ادارہ ہے جس کی طرف سے پہلی معرکۃ الآرا کتاب فتاویٰ رضویہ جلد سوم مارکیٹ میں آگئی ہے۔تقریباً ساڑھے آٹھ سو صفحہ پر پھیلا ہوا علم و معرفت اور علوم اسلامیہ کا یہ بیش بہا خزانہ دارالعلوم کے عظیم کارناموں کی ایک تازہ مثال ہے اگر قوم نے اس کی اشاعت میں ہاتھ بٹا کر ہماری ہمت افزائی کی تو اس کی بقیہ جلدیں منظر عام پر آجائیں گی۔چوتھی جلد کی طباعت کے انتظامات ہو رہے ہیں“۔ (۲)

سنہ مذکور تک حاجی محمد عمر صاحب ناظم اعلیٰ تھے اس کے بعد جب مولانا قاری

---

(۱) فتاویٰ رضویہ جلد سوم، عرض حال، ص:ش

(۲) ص ۴، روداد رجب ۱۳۸۰ھ تا جمادی الآخرہ ۱۳۸۱ھ/دسمبر ۱۹۶۰ء تا دسمبر ۱۹۶۱ء

https://alislami.net

محمد یحییٰ صاحب ناظم اعلیٰ اور مرتب روداد ہوئے تو ان کی نظامت میں ہی سنی دارالاشاعت سے متعلق مذکورہ بالا رپورٹ شائع ہوتی رہی۔ ۸۲،۸۱ھ کی روداد ص: د—پر بعینہ وہی الفاظ درج ہیں جو اوپر نقل ہوئے---اس کے بعد ۸۳،۸۲ھ کی رپورٹ میں صرف یہ ترمیم ہے کہ "بلکہ اس کا (جلد سوم کا) پہلا ایڈیشن ختم ہو رہا ہے۔ چوتھی جلد کی طباعت شروع ہوگئی ہے الخ"--- ۸۴،۸۳ھ کی رپورٹ میں بھی یہی الفاظ ہیں----۸۵،۸۴ھ کی روداد میں جلد چہارم سے متعلق کام کی دشواری کا ذکر ہے۔ باقی خبر حسب سابق ہے۔ الغرض سالہائے مذکور اور دیگر سالوں کی رپورٹوں میں اس بات کی واضح صراحت موجود ہے کہ یہ دارالعلوم ہی کا ایک مستقر شعبہ ہے اور فتاویٰ رجویہ کی اشاعت دارالعلوم ہی کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔

مزید براں جب جلد چہارم منظر عام پر آئی تو ۸۷،۸۶،۱۳۸۶ھ مطابق ۶۷،۱۹۶۶ء کی روداد میں خود ناظم سنی دارالاشاعت کی طرف سے یہ اطلاع شائع ہوئی:

"فتاویٰ رضویہ جلد چہارم صفحات ۷۵۰، سائز 18x22/14 کاغذ گلیز، کتابت طباعت معیاری، قیمت مجلد ۲۴/ روپے، غیر مجلد ۲۰/ روپے۔ ملنے کا پتا: سنی دارالاشاعت اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی۔

دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور اپنی نمایاں دینی خدمات کی وجہ سے محتاج تعارف نہیں رہا۔ شعبۂ تعلیم اور دارالافتا کے ساتھ ساتھ فتاویٰ رضویہ کی طباعت ادارہ کی غیر معمولی خدمت ہے"۔

۸۸،۸۷ھ کی روداد میں بھی جلد چہارم کا اشتہار اور جلد پنجم کے انتظام کی اطلاع دی گئی ہے ان سب سے یہ معاملہ بالکل واضح ہے کہ ناظم سنی دارالاشاعت حضرت مولانا عبد الرؤف صاحب بلیاوی علیہ الرحمۃ نے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کرنے کے باوجود سنی دارالاشاعت کو دارالعلوم ہی کا ایک شعبہ اور فتاویٰ رضویہ کی اشاعت کو دارالعلوم ہی کا ایک کارنامہ قرار دیا۔

https://alislami.net

مالِ دنیاکی طمع،اور شہرت وناموری کی حرص استاذ مرحوم کے پائے ثبات کوکبھی لغزش نہ دے سکی وہ اپنی عسرت کے باوجود ہمیشہ قومی سرمایہ کے امین اور مادرِ علمی کے دردمند مخلص کی صورت میں جلوہ گر رہے۔ ہر پست حرص وطمع کوانھوں نے ہمیشہ یہ کہتے ہوئے ٹھوکر ماری۔

بروایں دام بر مرغ دگر نہ
کہ عنقارا بلند است آشیانہ

۱۴ر شوال ۱۳۹۱ھ جمعہ کو جب استاذ محترم کا وصال ہوا تو اس وقت دار العلوم اشرفیہ کے سابق شیخ الحدیث استاذنا الکریم حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ اشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ اور تمام شعبوں کے مرجع تھے---حافظ عبدالرؤف صاحب کی اچانک رحلت کے بعد بقول استاذ گرامی مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ ”سنی دارالاشاعت کی بے گوروکفن لاش پڑی رہی“سنی دارالاشاعت کے ارکان کا کہیں پتہ نہ تھا نہ اس ادارہ کی کوئی فکر،خیال آیا تو اسی کو جو تمام شعبوں کا مرجع وماویٰ تھا۔

حافظ ملت نے اسے نشاۃ ثانیہ بخشی۔ناظمان دار العلوم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب اور حضرت مولانا قاری محمد یحییٰ صاحب کو اس کام پر مامور فرمایا۔ ان لوگوں نے حساب کتاب کرکے گاڑی کو ایک رخ پر لگایا۔چوں کہ یہ حضرات مدرسہ کی انتظامیات میں مصروف رہتے تھے اس لیے انھوں نے حضرت مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ کو آمادہ کیا اور انھوں نے اس کی بہت ساری ذمہ داریاں اپنے سر اٹھالیں۔

جب سنی دارالاشاعت کی تاسیس ہوئی اس وقت بھی حافظ ملت قدس سرہ نے اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا اور نہ صرف یہ کہ خوشی ظاہر کی بلکہ اس کے لیے خون کی فراہمی اور مالیاتی دوروں میں بھی حصہ لیا۔سرمایہ کے حصول میں ان کے اثر و سوخ اور ان کی شخصیت پر قوم کے عظیم اعتماد کا بھی بہت بڑا دخل ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ کتاب چھپ کر آگئی تو مایوس کن حالات میں اس کی نکاسی کے لیے بھی زبردست

https://alislami.net

جدوجہد کی۔ تقریری جلسوں میں اس ضخیم کتاب کی جلدیں ساتھ لے کر جاتے، اہل علم اوراہل ثروت کو ترغیب دے کر خریدواتے اورواپس آکر قیمت ناظم ادارہ کے حوالہ کرتے بظاہر یہ کام بڑا آسان معلوم ہوتا ہے لیکن کسی بلند پایہ شخصیت کو ایسی ضخیم کتابوں کی ”مفت باربرداری“ سے سابقہ پڑے تو پتہ چل سکے گا کہ اس کے لیے کتنی ہم دردی ومحنت اور ہمت واخلاص کی ضرورت ہے۔

حساب کا جائزہ:

حضرت مفتی عبدالمنان صاحب کے قلم سے جلد پنجم کے آغاز میں جو رپورٹ شائع ہوئی ہے اس کی روشنی مین میں نے حساب لگایا تو ثابت ہوا کہ فتاویٰ رضویہ سوم کی طباعت کے وقت دس ہزار روپیہ کے قریب جو رقم فراہم کی گئی تھی وہ مع نفع کے حافظ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمۃ کے وصال کے وقت کل کی کل موجود تھی اگرچہ کاغذ اور کتابت وغیرہ کی شکل میں تھی، نقد صرف سو روپے تھے۔

فتاویٰ رضویہ سوم کی قیمت بارہ روپے رکھی گئی تھی جس کے بارے میں جلد چہارم کے شروع میں یوں تصریح ہے کہ:

”محرم ۷۹ ۱۳ھ مطابق جولائی ۱۹۵۹ء میں فتاویٰ رضویہ جلد سوم کا اہتمام شروع ہوا۔ ۲۷ر صفر ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۰ر اگست ۱۹۶۱ء کو کتاب منظر عام پر آگئی۔

جس وقت کتاب شائع ہوئی ماحول انتہائی تاریک، حالات بے حد مایوس کن اور ہمت شکن تھے خود ناشر کو یہ بھروسہ نہیں تھا کہ ایسی ضخیم اور خالص علمی کتاب نکل سکے گی۔ اس لیے اس وقت دام بھی تقریباً لاگت کے برابر رکھا گیا تھا اور تاجرانہ اصول کے خلاف کمیشن وغیرہ کا جھگڑا ختم کر دیا گیا“۔ (۱)

اس بیان کی روشنی میں اندازہ ہوا کہ لاگت دس روپے تھی اور قیمت بارہ روپے رکھی

(۱) فتاویٰ رضویہ جلد چہارم، عرض حال، صفحہ ف۔ بقلم: مولانا عبدالرؤف علیہ الرحمۃ

https://alislami.net

گئی۔ جلد چہارم کی اشاعت کے وقت جلد سوم کے ڈیڑھ سو نسخے موجود تھے جن کی مالیت ڈیڑھ ہزار روپیے ہوتی ہے۔ جلد چہارم کی قیمت بیس روپیے رکھی گئی تھی اور یہ تقریبًا لاگت کے برابر نہ تھی بلکہ تاجروں کو کمیشن دینے کا خیال بھی رکھا گیا تھا اس لیے اس کی لاگت تقریبًا چودہ ہزار روپیے ہوگی۔ مزید رقم کی فراہمی کے لیے یا تو چندہ ہوا ہو یا قرض لیا گیا ہو۔ چندہ کی کوئی اطلاع نہیں اس لیے قرض ہی قرین قیاس ہے۔ اب حضرت کے وصال کے وقت جو اثاثہ ملا وہ حسب ذیل ہے میں اس زمانہ کے ریٹ کا لحاظ کرتے ہوئے ہر چیز کی تخمینی مالیت متعین کی ہے۔

اثاثہ	مالیت
کلام مجید ۱۰۰/ نسخے	۱۵۰۰
فتاویٰ رضویہ جلد سوم ۱۰۰/ نسخے	۱۰۰۰
فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ۳۰۰/ نسخے، لاگت فی نسخہ ۱۴/ روپیے	۴۲۰۰
متفرق کتابیں جو تبادلہ میں آئیں	۱۰۰۰
نقد	۱۰۰
کتاب جلد پنجم ۴۳۳/ صفحات، بحساب ۵/ روپیے فی صفحہ	۲۱۶۵
طباعت شدہ جلد پنجم، ۹۶/ صفحات کاغذ ۲۴/ ریم بحساب ۵۰/ روپیہ فی ریم طباعت ۲۴/ فارم بحساب ۱۰/ روپیے فی فارم	 ۱۲۰۰ ۲۴۰
۶۶/ ریم کاغذ پریس کے ذمہ، بحساب ۵۰/ روپیہ فی ریم	۳۳۰۰
تیرہ ہزار آٹھ سو پانچ روپیے صرف	۱۳۸۰۵

جلد چہارم کی طباعت میں تقریبًا ۱۴/ ہزار روپیے صرف ہوئے جس میں کم از کم دو ہزار روپیے قرض کی رقم ضرور تھی جسے واپس کرنے کے بعد بھی تقریبًا چودہ ہزار روپیے

https://alislami.net

کا اثاثہ مکمل طور پر سنی دارالاشاعت کے تحت موجود تھا۔ جس کا سبب یہ ہے کہ جلد چہارم کچھ نفع کے ساتھ فروخت ہوئی۔ واضح رہے کہ میں نے جو مالیت متعین کی ہے وہ کم سے کم اندازہ کے مطابق ہے ممکن ہے اصل مالیت اس سے زیادہ بنتی ہو لیکن اس سے کم ہرگز نہ ہوگی۔

اس تفصیلا کی روشنی میں استاذ گرامی حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف صاحب کی امانت و دیانت کا جوہر عیاں ہے۔

اب یہ شعبہ مکمل طور پر حضرت مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ کے زیر تسرف ہے جس کی ابتدا ماسبق میں ذکر ہو چکی ہے۔ حضرت ممدوح کے زیر اہتمام ششم، ہفتم، ہشتم شائع ہوئیں اور پنجم کا بھی اکثر حصہ انھوں نے ہی مکمل کرا کے شائع کیا۔ تقریباً بیس سال سے وہ یہ خدمت سرانجام دے رہے ہیں کام کی جو دشواری اور صعوبت ہے اس پر سیر حاصل گفتگو شروع میں ہو چکی ہے---موصوف خود ایک متبحر عالم، صاحب طرز اہل قلم اور کہنہ مشق مصنف ہیں وہ چاہتے تو اسے چھوڑ کر خود اپنی کتابیں منظر عام پر لاتے مگر اپنی بہت سی تصانیف ناتمام چھوڑ کر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے رشحات قلم کی تحقیقا واشاعت میں وقت اور محنت صرف کرنا تمام اہل علم کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کا مستحق ہے۔ اس میں جو ایثار ہے اسے بہت کم لوگ سمجھ پاتے ہیں کیوں کہ اب بھی ایسے افراد زیادہ تعداد میں ملیں گے جو تصنیف کو بہت اہم خدمت شمار کرتے ہیں۔ اور تحقیقا واشاعت کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے حالاں کہ نہ ہر تصنیف اہم اور مشکل ہوتی ہے نہ ہر اشاعت سہل اور آسان---اب تو ایسی ایسی غیر معیاری اور سطحی کتابین دیکھنے کو ملتی ہیں جنھیں تصنیف کا باوقار نام دینا ہی بے جا ہے---اور کسی جامع علوم اور ماہر فنون کے قلمی مسودے کی تحقیقا کر کے اسے صحبت کے ساتھ شائع کرنا ایسا دشوار گزار عمل ہے جس میں اچھے اچھے علما ناتجربہ کار ثابت ہوتے ہیں اور ان کی شائع کردہ کتابوں میں قاری کو بے شمار الجھنوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح کا فرق ہرگز نظرانداز نہیں

ہونا چاہیے۔

بہرحال امام احمد رضا قدس سرہ کے فتاواے مبارکہ کی تحقیقاً واشاعت وہ اہم خدمت ہے جس پر مولانا حافظ عبد الرؤف صاحب علیہ الرحمۃ کے بعد بحر العلوم کے بھی ہم بے پناہ ممنون ہیں۔ رب کریم انھیں سبھی اہل علم کی جانب سے جزائے فراواں عطا فرمائے۔

محمد احمد مصباحی
رکن المجمع الاسلامی
استاذ دار العلوم اشرفیہ مبارک پور

بھیرہ، ولید پور
۲۵؍ رجب ۱۴۱۰ھ پنجشنبہ
۲۲؍ فروری ۱۹۹۰ء

https://alislami.net

علامہ محمد احمد مصباحی صدر انجمن امجدیہ بھیرہ کی تصانیف

۱-تدوین قرآن----------------------اردو
۲-امام احمد رضا اور تصوف-----------------//
۳-تنقید معجزات کا علمی محاسبہ-----------------//
۴-شادی اور آداب زندگی-----------------//
۵- مواہب الجلیل لتجلیۃ مدارک التنزیل ۱۴۲۹ھ-----عربی
۶-حدوث الفتن وجہاد اعیان السنن ۱۳۲۱ھ--------//
۷-حاشیہ جد الممتار الجزء الثانی-----------------//
۸-امام احمد رضا کی فقہی بصیرت--------------اردو
۹-معین العروض----------------------//
۱۰-فرائض وآداب متعلم ومعلم ---------------//
۱۱-خلفاے راشدین اور اسلامی نظام اخلاق--------//
۱۲-رسم قرآنی اور اصول کتابت ----------------//
۱۳-رہنماے علم وعمل ------------------//
۱۴-شرک کیا ہے----------------------//
۱۵-نواے دل (مجموعہ خطبات)------------اردو
۱۶-امام احمد رضا اور جہان علوم ومعارف (ترتیب وتحقیق) اردو
۱۷-مقالات مصباحی-----------------اردو

ناشر
مصباحی پبلیکیشن، محمد آباد، مئو
Misbahi Publication, Muhammadabad, Mau
Mobile No. : 8188818465, 9506191193

https://alislami.net